بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امریکی قید خانہ

گوانتانا موبے کی کہانی

ملا ضعیفؒ کی زبانی

ملا عبدالسلام ضعیفؒ

سابق افغان سفیر

ترجمہ و تلخیص: مولانا رافع القدر مدظلہ (کراچی)

ناشر

کتاب دوست پبلیکیشنز

اردو بازار لاہور۔ فون پی پی: 042-7313392

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com
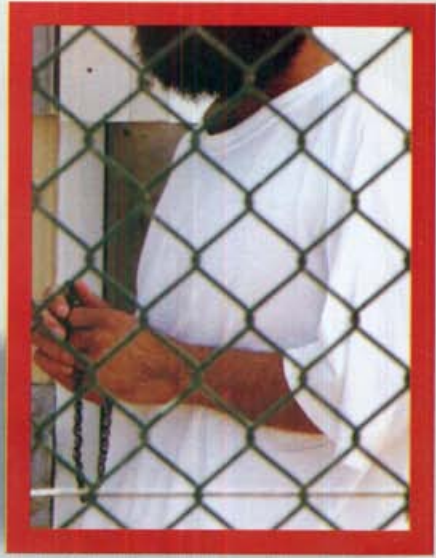
نام کتاب	گوانتاناموبے کی کہانی
	ملا ضعیف کی زبانی
تصنیف	ملا عبدالسلام ضعیف
ترجمہ و تلخیص	مولانا رافع القدر مدظلہ
ایڈیٹنگ	محمد زاہد اقبال
صفحات	112
قیمت	
ناشر	کتاب دوست پبلیکیشنز لاہور

ملنے کا پتہ:

ادارۃ القاسم

پہلی منزل، زبیدہ سنٹر

40 اردو بازار، لاہور

فون: 042-7313392

موبائل: 0300-4420434

فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

روئیدادِ غم یا درسِ عبرت؟

محمد زاہد اقبال

ملا عبدالسلام ضعیف طالبان دور میں اسلام آباد میں امارتِ اسلامی افغانستان کے سفیر تھے، وہ طالبان حکومت کے سقوط تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ملا ضعیف نے اپنے دورِ سفارت خصوصاً نائن الیون کے بعد امریکی و یورپی میڈیا وار کا جرأت و بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے سفارت کا صحیح حق ادا کیا جو کہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ اکیسویں صدی کے ترقی یافتہ دور میں پوری دنیا کے عوام نے ملا ضعیف کو اپنے ملک و مذہب کا بیبا کی اور عزم وہمت کے ساتھ دفاع کرنے پر خراجِ تحسین پیش کیا اور دنیا کے طاقتور ترین ملک امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے پر انہیں سلام پیش کیا۔ طالبان حکومت کے سقوط کے بعد پاکستانی حکام نے ان کو امریکا کے خونخوار پنجوں میں دیا تو یہ اقدام ان کے لیے حیران کن اور انوکھا نہیں تھا۔ ملا ضعیف تین سال اور دس مہینے گوانتاناموبے اور افغانستان کے عقوبت خانوں میں اپنے سینے پر وقت کے جابروں کے ظلم وستم سہتے رہے۔ اس عذاب سے رہائی کے بعد ان کی دل ہلا دینے والی داستان کتابی صورت میں منظرعام پر آئی ہے۔ پشتو زبان میں تحریر کی گئی ان کی کتاب میں ایسے ایسے روح فرسا واقعات بیان کیے گئے ہیں جنہیں پڑھ کر دل دہل جاتا ہے۔

ملا ضعیف کی اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے اسے بڑے معروضی اور بے لاگ انداز میں تحریر کیا ہے۔ جہاں انہوں نے گوانتاناموبے میں تعینات سنگ دل امریکیوں کے مظالم کو صاف صاف بیان کر دیا ہے، وہاں اگر کسی امریکی فوجی یا افسر کا رویہ

متاثر کن رہا تو انہوں نے اس کا اعتراف کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ بدنامِ زمانہ امریکی عقوبت خانہ گوانتاناموبے پچھلے کئی برسوں سے عالمی سطح پر جمہوری، قانونی، سیاسی حلقوں اور انسانی حقوق کے کارکنوں کی شدید تنقید کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ گوانتاناموبے میں قیدیوں سے روا رکھے جانے والے مظالم کی کچھ جھلکیاں مختلف راویوں کی زبانی پہلے بھی سامنے آچکی ہیں، لیکن سابق اہم اور ذمہ دار طالبان رہنما نے اس حوالے سے نہایت مفصل اور جامع کتاب تحریر کر کے ان پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور امریکہ کے خوانخوار چہرے پر پڑا نقاب اتارنے کی کوشش کی ہے۔

ملا عبدالسلام ضعیف صوبہ قندھار کے ضلع پنج وائی میں ملا نور محمد کے ہاں جنوری 1967ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی عمر عزیز کی صرف دو بہاریں دیکھی تھیں کہ ماں کی ممتا سے محروم ہو گئے۔ ماں کی رحلت کے بعد والد نے ان کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی۔ ابتدائی مذہبی تعلیم والد ہی سے حاصل کی، ابھی ان کی عمر نو سال تھی کہ 1976ء میں سایہ پدری سے بھی محروم ہو گئے۔ مزید تعلیم اپنے بڑے بھائی سے اور کچھ مقامی اسکول میں حاصل کی۔ 1978ء میں افغانستان پر افتاد آپڑی تو خاندان کے دیگر افراد اپنے ساتھ ان کو بھی پاکستان لے آئے۔ یہاں نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ وطن کی محبت نے ان کو چین سے رہنے نہ دیا اور کم سنی ہی میں ان کے اندر جہاد کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ملا ضعیف نے اپنے والد کے ایک قریبی دوست ملا محمد صادق اخوند کے ساتھ ضلع پنج وائی میں صدقیہ تحریک کے بینر تلے جہاد شروع کیا۔ جہاد کے ساتھ ساتھ علم کے مزید موتی سمیٹنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ صدقیہ تحریک میں فعال کردار ادا کرنے پر ان کو اس تحریک میں اہم ذمہ داریاں تفویض کی گئی تھیں۔ افغانستان میں مجاہدین کی کامیابی تک وہ مذکورہ تحریک کے لیے بطورِ رہنما اور مدرس خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد حصول علم کا ادھورا سلسلہ مکمل کرنے کی غرض سے پشاور آئے۔ یہاں دورۂ حدیث کے علاوہ انگریزی اور عربی زبانوں پر عبور حاصل کیا۔ طالبان تحریک کے آغاز سے لے کر اب تک اس

سے وابستہ ہیں۔ طالبان نے صوبہ ہرات پر قبضہ کیا تو ان کو یہاں کے مرکزی بینک کا انچارج مقرر کر دیا گیا۔ پندرہ ماہ تک اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کرنے کے بعد وزیر دفاع مقرر کیے گئے۔ وزارت کا قلمدان سنبھالنے کے چھ ماہ بعد مستعفی ہو گئے۔ اس کے بعد وزیر ٹرانسپورٹ بھی رہے۔ 2001ء میں اسلام آباد میں افغانستان کے سفیر مقرر کیے گئے۔ یکم جون 2002ء کو پاکستانی حکام نے ان کو امریکیوں کے حوالے کر دیا اور تین سال دس مہینوں تک انہوں نے افغانستان اور امریکا کی جیلوں میں سخت ترین ذہنی و جسمانی تشدد، صعوبتیں اور تکالیف برداشت کیں۔ 11 ستمبر 2005ء کو امریکا نے ان کو موجودہ افغان حکومت کے حوالے کر دیا۔ آج کل افغان دارالحکومت کابل میں مقیم ہیں۔

ملا ضعیف نے کتاب کیا لکھی ہے، اپنی روائیدادِ غم بیان کی ہے۔ اگر چہ یہ کتاب ادب کا کوئی شہ پارہ نہیں ہے، جیسا کہ خود ملا صاحب نے اپنے پیش لفظ میں لکھ دیا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ وقت کی ظالم و جابر اور انسانیت دشمن طاقتوں کی انسانیت کش تاریخ کا ایک باب محفوظ کر دیا ہے تاکہ آنے والی نسلیں اس سے درسِ عبرت حاصل کریں اور یہ بات ہمیشہ ان کے ذہن نشین رہے کہ وحی الٰہی کے انکار پر مبنی نظامِ تعلیم کے پروردوں، سرمایہ دارانہ نظام کے محافظوں، صیہونیت کے سپاہیوں اور تہذیب جدید کے علمبرداروں کا حقیقی چہرہ کیسا ہے؟ ان کے انسان دوستی، جمہوریت، احترامِ مذاہب، امن و امان، انسانی حقوق اور مساوات کے نعرے محض لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ہیں۔ خصوصاً نائن الیون کے بعد صدر بش کے صلیبی جنگوں کے آغاز کے اعلان و اقدامات، افغانستان پر ننگی جارحیت اور عراق کے عوام پر آتش و آہن کی بارش کر کے انہیں خاک و خون میں تڑپانے اور افغان و عراقی عوام کے ساتھ گوانتاناموبے اور ابوغریب کے جلاد خانے آباد کرنے کے بعد پوری دنیا کے باشعور عوام اس حقیقت تک پہنچ چکے ہیں کہ اصل انتہاء پسند، دہشت گرد اور امن کے دشمن کون ہیں؟

امریکی قوم کی تاریخ انسانیت پر ظلم وستم پر مبنی تاریخ ہے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے والا امریکہ جنگِ عظیم دوم کے بعد سے آج تک پوری دنیا کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے۔ اس کی جنگی پالیسیوں اور افغانستان وعراق پر جنگ مسلط کرنے کی وجہ سے آج اکیسویں صدی میں جس طرح پوری دنیا کے عوام خوفزدہ ہیں اور انہیں امن وسلامتی کے حوالے سے تحفظات و خدشات لاحق ہیں اس سے پہلے ایسا کبھی نہ تھا۔

افغانستان سے روسی افواج کے انخلاء کے بعد امریکی دانشوروں نے اسلامی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کا حریف قرار دیا اور اس کے خلاف با قاعدہ منصوبہ بندی شروع کر دی۔ نیو ورلڈ آرڈر کے اعلان کے ساتھ ہی امریکی حکمرانوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کر دیا، چنانچہ با قاعدہ سازش کے تحت عراق کویت تنازعہ کی آڑ میں مشرقِ وسطیٰ میں فوجیں اتار کر پورے علاقے کو کنٹرول کر لیا، پھر نائن الیون کے حادثے کا بہانہ بنا کر پہلے افغانستان میں طالبان حکومت کا خاتمہ کیا گیا اور بعد میں عراق پر جارحیت کی گئی۔ امریکی عزائم تو ایران وشام کو بھی نگل جانے کے تھے لیکن افغانستان میں طالبان اور عراق میں مجاہدین نے امریکی واتحادی افواج کے تابوتوں کی لائن لگا کر امریکی سورماؤں کو یہیں روک لگا دی ورنہ قندھار و بغداد کی طرح آج تہران و دمشق بھی جل رہے ہوتے۔

دینِ اسلام ایک کامل و مکمل نظامِ حیات ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ آخری ضابطۂ حیات ہے جس پر عمل درآمد کر کے ہی تا قیامت آنے والے انسان دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ نظامِ حیات جسے "نظامِ خلافت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، زمانۂ رسالت سے لے کر آخری اسلامی سلطنت "خلافتِ عثمانیہ" کے سقوط تک نافذ العمل رہا اور مسلمانوں سمیت پوری انسانیت اس کے نتائج و ثمرات سے مستفید ہوتی رہی۔ یورپ کے لیے اسلامی نظام خلافت کی حامل اور پوری دنیا

کے مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق اور امید کا مرکز عثمانی خلافت قابل برداشت نہ تھی۔ آٹھ صدیوں تک یورپ پر اپنا سکہ جمائے رکھنے والی خلافتِ عثمانیہ مسلمانوں کے ایمان و عمل میں کمزوری، اپنوں کی غداری اور اغیار کی سازشوں کی وجہ سے سقوط کا شکار ہوئی تو اہل یورپ نے خصوصاً اشتراکیت کے خاتمے کے بعد میڈیا کے زور پر یہ خوب پروپیگنڈہ کیا کہ اسلامی نظام موجودہ ترقی یافتہ دور میں نا قابل عمل ہے اور سرمایہ دارانہ نظام ہی واحد کامیاب نظام ہے۔ طالبان نے افغانستان کے بیشتر علاقوں پر کنٹرول حاصل کر کے اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا تو امریکہ و یورپ کو تشویش لاحق ہوگئی۔ پھر جب کابل فتح ہو گیا اور پورے ملک میں امن و امان کا قیام اور جرائم کا خاتمہ ہو گیا تو سرمایہ دارانہ نظام کے محافظوں کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ اگر یہ نظام کامیاب ہو جاتا ہے اور دنیا اسے اپنی آنکھوں سے کامیاب ہوتا دیکھ کر اسے قابل تقلید تصور کرتی اور اسے اپنے ہاں درآمد کرتی ہے تو پھر انسانیت کش سرمایہ دارانہ نظام کی تو بساط ہی لپیٹ دی جائے گی، لہٰذا انہوں نے امارتِ اسلامی کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اور آخر کار اپنی عسکری ٹیکنالوجی کی برتری کے بل بوتے پر اور اپنے "اتحادیوں" کے تعاون سے اسے ختم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔

امریکہ نے اپنے ہمنواؤں کے تعاون سے ملا عبد السلام ضعیف کو امارت اسلامی افغانستان کے سفیر ہونے کے جرم میں پہلے افغانستان پھر گوانتاناموبے کی جیل میں نہ صرف قید رکھا بلکہ ان پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے کہ اکیسویں صدی کا انسان ان کو پڑھ کر حیران و ششدر رہ جاتا ہے کہ کیا اس ترقی یافتہ اور تہذیبِ جدید کے دور میں بھی کوئی قوم اس قدر انسانی اوصاف و اخلاق سے عاری ہو سکتی ہے کہ اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھے؟ ملا ضعیف نے اپنے اور دیگر قیدیوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو بہت ہی سادہ انداز میں تحریر کیا ہے اور پوری دنیا خصوصاً عالم اسلام کے سامنے امریکہ اور اس کے ہمنواؤں کا خوفناک چہرہ پیش کر کے انہیں بیدار کرنے اور عالم کفر کا مقابلہ کرنے

کی تیاری کی ترغیب دی ہے۔ ہم ملا صاحب کی داستانِ غم سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ بدنامِ زمانہ گوانتانا موبے کے مقاصد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گوانتانا موبے میں وقت کے فرعون کے مظالم سہنے والا ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ زندان ہر اس مسلمان کے لیے بنایا گیا ہے جو امریکی پالیسیوں کا مخالف ہے۔ دہشت گردی کے نام پر گرفتار ہونے والوں کے ساتھ امریکہ ہر غیر انسانی سلوک کر سکتا ہے، کیونکہ گوانتانا موبے کے جزیرے میں دنیا کا کوئی قانون نہیں چلتا۔''

دیگر قیدیوں کی طرح ملا ضعیف پر بھی بے پناہ تشدد ہوا لیکن انہوں نے وقت کے فرعون کے جبر کو ہمت واستقامت کے ساتھ برداشت کیا ہے، خود لکھتے ہیں کہ ''سلام پھیرنے کے بعد ایک فوجی نے...... صحت دریافت کی، کھانے کے بارے میں دریافت کیا اور پوچھا سردی تو نہیں لگی؟ ہر سوال پر میرا جواب ''الحمدللہ'' ہوتا، شکایت کرتا اور نہ کچھ مانگتا تھا۔''

افغانستان وعراق پر ننگی جارحیت اور مسلمانوں کا ناحق خون بہانے کے بعد پوری دنیا کے عوام بش اینڈ کمپنی کو ظالم و جابر قرار دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود امریکی اپنے آپ کو امن کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں، پوری دنیا کو ''انصاف'' فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ ملا ضعیف بیان کرتے ہیں:

''بگرام میں اس دن تازہ برفباری ہوئی تھی، مجھ پر تشدد کے دوران وہاں موجود امریکی عورتوں اور مرد فوجیوں نے گانا شروع کر دیا۔ ان کے جو شعر مجھے سمجھ آرہے تھے وہ یہ تھے:

امریکہ عدل وانصاف کا گھر ہے،
عدل وانصاف کا طرفدار ہے،
اور ہر کسی کے لیے انصاف چاہتا ہے،

امریکی انتظامیہ اپنے عوام کو تو انصاف فراہم کرتی ہوگی، لیکن دیگر اقوام کے افراد خصوصاً مسلمان تو ان کے نزدیک انسان بھی نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ان سے انسانی

سلوک روا رکھنے کو ناروا سمجھتے ہوئے بقول ملا ضعیف اس طرح کا سلوک کرتے ہیں:

''اکثر اوقات خوراک سے بدبو آتی مگر یہ جاننے کے باوجود کہ یہ خوراک صحت کے لیے نقصان دہ ہے، ہم مجبوری کے تحت کھا لیتے تھے، کیونکہ ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔''

مہذب امریکہ کی طرف سے قیدیوں کو ملنے والے کھانے کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

''روٹی چار قسم کی ہوتی، کھانا باری باری پکتا تھا، سبزی ابلی ہوئی ملتی اور سالن اکثر ٹھنڈا ہوتا، جس کی وجہ سے قیدیوں کو قبض کی شکایت رہتی تھی۔ مچھلی بدبودار ہوتی اور مرغی کے گوشت میں خون صاف نظر آتا۔ چاول اتنے کم ہوتے کہ نصیب اللہ نامی ہمارے ایک ساتھی ایک نوالہ بھر کر کھا لیتے تھے، روٹی اتنی کم مقدار میں ملتی کہ بچے کا پیٹ بھی اس سے نہ بھر سکتا۔''

ظاہر ہے کہ اس طرح کی خوراک سے امراض پیدا نہ ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟ لیکن اس کے نتیجے میں علاج معالجہ کا انتظام اس طرح تھا:

''ہمارے پڑوس کے خیمے میں پاکستانی بھائی کو دانتوں کا شدید درد تھا، نرسیں ہر مرض کے لیے ''Talinol'' نامی گولیاں دیتی تھیں، اس کو بھی یہی گولیاں دی گئیں مگر اس کا درد بڑھتا گیا، وہ اس درد کی وجہ سے کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔''

امریکی نہ صرف یہ کہ کوئی مؤثر علاج نہ کرتے تھے بلکہ تشدد کا نشانہ بھی بناتے تھے، ملا ضعیف اسی طرح کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

''میری باری آئی اور مجھے (ڈاڑھی منڈوانے کے لیے) نائی کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ میں نے بہت منتیں کیں اور کئی بار مزاحمت کے لیے سر کو ہلایا مگر چہرے پر اتنا سخت تھپڑ پڑا کہ پانچ منٹ تک آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا رہا۔ اس واقعے سے مجھے ایک دوسرا تھپڑ بھی یاد آیا جو ایک ڈاکٹر نے مجھے مارا تھا۔ ایک بار معائنہ کراتے وقت آنکھوں کے ڈاکٹر کو استفسار

پر وجہ بتائی تو اس نے تھپڑ رسید کر دیا اور کہا کہ شکایت کیوں کرتے ہو۔ ہم اس وجہ سے شکایت بھی نہیں کر سکتے تھے۔"

امریکہ و مغرب احترامِ مذاہب اور مکالمہ بین المذاہب کا بہت شور مچاتے ہیں اور اس طرح دیگر اقوام خصوصاً مسلمانوں کے "روشن خیال" طبقے کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ ان کا اپنا حال یہ ہے:

"ہم سجدے میں تھے کہ دو فوجی میرے سر اور کمر پر بیٹھ گئے، میں سجدے سے نہ اٹھ سکا، چنانچہ نماز خراب ہو گئی، پھر عادل تیونسی کو نماز کے دوران ہی زبردستی لے جایا گیا۔"

مہذب دنیا کے مہذب فوجی نہ صرف یہ کہ نمازیں خراب کرتے بلکہ قرآن پاک کی بے حرمتی تو ان کا معمول تھا، جس کے کئی واقعات آپ کتاب میں ملاحظہ کریں گے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کے عزائم کیا ہیں؟ اس کا اندازہ درجِ ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے:

"ایک دن ایک چھوٹے قد کے موٹے شخص نے آ کر انتہائی بدتمیزی سے بات شروع کی اور پوچھا یہ مسلمان آخر کب ہمارے سامنے سرِ تسلیم خم کریں گے؟ اس سے میرا خون کھول اٹھا مگر میں نے حوصلہ کر کے جواب دیا کہ آپ کی یہ خواہش کبھی بھی پوری نہیں ہو گی۔ مسلمانوں کا ایک گروہ آپ کے خلاف امام مہدی کے ظہور تک جہاد کرے گا اور آخر میں غلبہ مسلمانوں کا ہی ہو گا۔ اس نے پوچھا یہ گروہ کس کا ہو گا؟ طالبان یا القاعدہ کا یا کسی اور کا؟ میں نے کہا کہ یہ مجھے معلوم نہیں مگر یاد رکھیں کہ آپ اپنے اہداف تک اس قدر آرام سے نہیں پہنچیں گے۔ اس نے لمبی سانس لی اور کہا کہ کاش! یہ امام مہدی جلد سامنے آ جائیں اور ہم ان سے نمٹیں تا کہ مسلمانوں کی یہ آخری امید بھی ختم ہو۔"

ایسے ہی بدتمیز اور انسانی اوصاف سے عاری فوجی ایک دو نہ تھے بلکہ بیشتر اس سے بھی دو قدم آگے تھے، ملا ضعیف نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ان کا اخلاقی درجہ صفر تھا قیدیوں کو ہمیشہ بھوکا رکھتے تھے، ان کو گندے کپڑے دیتے

تھے، نیند کے وقت بلیوں اور کتوں کی طرح آوازیں نکال کر پریشان کرتے اور قیدیوں کے ساتھ توہین آمیز سلوک کر کے ان کو غصہ دلاتے تھے...... چابی والے گروپ کے فوجیوں کو انسانیت چھو کر بھی نہ گزری تھی، تعصب ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ہر وقت بداخلاقی کے مظاہرے کرتے رہتے اور ہمارے مذہبی شعائر کا احترام نہ کرتے تھے۔ اپنے اعلیٰ حکام کو جھوٹی رپورٹیں ارسال کرتے اور قیدیوں کو سخت سزائیں دلواتے تھے۔ قرآن مجید کی بار بار بے حرمتی کرتے، قیدیوں کو مشتعل کرتے، ان کو تشدد کا نشانہ بناتے اور رات کے وقت بے جا تلاشی لیتے اور جب قیدی محو خواب ہو جاتے تو فرش کے ساتھ اپنے بھاری بوٹ مار کر شور مچاتے...... 94 گروپ کے فوجیوں میں شیطانی خصلتیں تھیں، وہ تمام کے تمام وحشی اور مغرور تھے۔ قیدیوں کی تکلیف میں خوشی محسوس کرتے

یہ وحشی اور شیطانی خصلتوں کے حامل فوجی قیدیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھتے اور بے پناہ تشدد کرتے تھے، اسے سن اور پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''یہاں رہ کر بہت سے قیدی نفسیاتی مریض بن گئے تھے۔ قیدی یہاں چیختے مگر ان کی چیخوں کی آوزیں کسی کو سنائی نہ دیتی تھیں...... برطانوی شہریت رکھنے والا ہمارا ایک بھائی احمد اس کیمپ میں تین سال گزارنے کی وجہ سے شدید ڈپریشن کا مریض بن گیا تھا...... احمد کو بعد میں اتنے امراض لاحق ہو گئے تھے کہ وہ بالکل بے حس ہو کر رہ گیا تھا، کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ہر وقت اپنے آپ سے باتیں کرتا رہتا۔ گوانتانا موبے میں کبھی کبھار رات کو اٹھ کر نعتیں پڑھتا اور تلاوت کرتا، اکثر قرآنی آیات غلط پڑھتا تھا...... طب کے شعبے سے منسلک افراد کو قید نہیں رکھا جا سکتا، مگر ڈاکٹر ایمن سعید (یمنی) کو گرفتار کر کے گوانتانا موبے پہنچا دیا گیا۔ ان کو اتنا ذہنی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا کہ آخر میں پاگل ہو گئے۔ ان کی طرح اور بھی بہت سے قیدی پاگل ہو گئے تھے مگر ان کو سزا باقاعدگی کے ساتھ دی جاتی تھی۔''

اس اذیت ناک اور انتہائی تکلیف دہ ماحول میں رہنے کے باوجود ان کی ایمانی کیفیت کیا تھی؟ ملا ضعیف افغانستان میں قید کے دوران کا واقعہ لکھتے ہیں:

''کچھ دیر بعد ہر خیمے سے اذان کی آوازیں آنے لگیں، جیسے ہم کسی شہر میں ہوں، ملا اخوند نے الحمدللہ کہا، سجدے میں گر گئے اور کہا ضعیف بھائی مجھے تو لگتا ہے کہ ہم اسلام کے قلعے میں آ گئے ہیں۔''

امریکہ نے طالبان اور القاعدہ ارکان کے شبہے میں کیسے کیسے بے گناہ لوگوں کو گرفتار کر کے گوانتاناموبے کے زندان خانے میں تشدد کا نشانہ بنایا۔ ملا ضعیف کی زبانی صرف افغان قیدیوں کا حال سنیے:

''ان سب افغانوں کو پکڑا گیا جنہوں نے کسی طالب یا مجاہد کو پناہ دی، ان کو کھانا کھلایا یا کسی مشہور طالب یا مجاہد کا نام کسی نے لیا یا کسی نے اسے دیکھا۔ ایک افغان کو اس لیے پکڑا گیا کہ اس نے مجاہدین جیسا کوٹ پہنا تھا، ایک کو جیب میں ٹیلی فون سیٹ رکھنے پر جبکہ ایک چرواہے کو دوربین رکھنے پر پکڑا گیا اور ان سب کو بعد میں جنگی مجرم ثابت کیا گیا۔ اکثر بھائی مجھے تفصیلی روئیداد بیان کرتے جس پر مجھے بہت افسوس ہوتا۔ افغان قیدیوں میں طالبان، مجاہدین، موجودہ افغان حکومت کے اہلکار، موچی، لوہار، چرواہے، صحافی، صراف، دکاندار، آئمہ مساجد حتیٰ کہ امریکا کے اپنے ترجمان بھی شامل تھے۔''

جب طویل عرصے تک تفتیش کرنے کے بعد کوئی قیدی ''بے گناہ'' ثابت ہو جاتا اور اس سے مطلب کی کوئی بات حاصل نہ کرتے اور رہا کرنے کا ارادہ کیا جاتا تو اسے مشروط رہائی پیش کی جاتی، جس کی تفصیل آپ اس کتاب کے آخر میں ملاحظہ کریں گے۔ اگر کوئی قیدی ان کے مشروط رہائی نامے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتا تو اسے رہا نہ کیا جاتا تھا۔ امریکیوں کی پہلی کوشش یہ ہوتی تھی کہ بے گناہ قیدی کو اپنا جاسوس بنا لیا جائے، چنانچہ اس کی پیش کش بھی کی جاتی، ملا ضعیف کی زبانی ملاحظہ ہو:

"یہ قندھار میں میری تفتیش کا آخری مرحلہ تھا۔ تفتیش کار نے مجھے بتایا کہ یکم جولائی کو گوانتاناموبے کے لیے آپ کی پرواز ہوگی۔ ہم ان قیدیوں کو گوانتاناموبے بھیجتے ہیں جو مرتے دم تک وہاں رہیں گے اور موت کے بعد بھی یہ گارنٹی نہیں کہ ان کی میت وطن واپس لائی جائے گی یا نہیں؟ اب یہ آپ کے پاس آخری موقع ہے بتائیں گھر جانا چاہتے ہیں یا گوانتاناموبے؟ گھر واپسی کے لیے اس تفتیش کار نے اپنی پرانی شرائط (پیسے کے لالچ اور ملا عمر اور اسامہ بن لادن کی گرفتاری میں تعاون) دہرائیں۔ بالفاظِ دیگر مجھے کہا کہ آپ کو رہائی کے بدلے امریکی جاسوس بننا ہوگا۔"

ملا ضعیف کو گوانتاناموبے سے مشروط رہائی دیتے ہوئے انہیں حلف نامے پر دستخط کرنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے کاغذ انتہائی غصے سے دور پھینکا اور کہا:

"میں مظلوم ہوں، مجرم نہیں ہوں، کبھی بھی اپنا کردہ جرم تسلیم نہیں کروں گا، کبھی معافی نہیں مانگوں گا، کبھی بھی اپنی رہائی پر امریکا کا شکریہ ادا نہیں کروں گا، میں نے کون سا جرم کیا ہے؟ مجھے کس قانون کے تحت مجرم ثابت کیا گیا ہے؟ میں طالب تھا، ہوں اور طالب رہوں گا، البتہ القاعدہ کا کبھی ساتھی نہیں رہا۔ کس دہشت گردی کے واقعے میں میرا ہاتھ تھا؟ مجھے بتائیے، اگر آپ سچے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ ملا ضعیف نے یہ کتاب تحریر کر کے اور امریکہ کے حقیقی چہرے کو بے نقاب کر کے امریکہ و یورپ کو آئینہ دکھایا ہے اور پوری دنیا کے عوام کو اس مکروہ چہرے کے نظارے کی دعوت دی ہے کہ امریکی و یورپی میڈیا کے پروپیگنڈوں اور خوش کن نعروں پر نہ جائیے بلکہ آئیے اور اس درندے کی درندگی کے واقعات کو پڑھیے اور فیصلہ کیجئے کہ انسانیت کا قاتل، امن کا دشمن اور دہشت گرد کون ہے اور انسان دوست، امن کا داعی اور انسانیت کا خیر خواہ کون ہے؟

قارئین کرام! یہ کتاب محض واقعات کا مجموعہ اور داستانِ الم نہیں بلکہ یہ امتِ مسلمہ کی موجودہ حالتِ زار کا نقشہ اور اس کی بگڑی ہوئی تصویر کی ایک جھلک ہے۔

آج گوانتاناموبے کا جلاد خانہ کیوں آباد ہے؟ ابوغریب جیل سے مسلمان بھائیوں، بہنوں اور بیٹیوں کی چیخیں کیوں آرہی ہیں؟ غزہ کے باسیوں پر صیہونی ٹینک گولے کیوں برسا رہے ہیں؟ بیروت کی اینٹ سے اینٹ کیوں بجادی گئی ہے؟ بغداد کا مقتل کیوں سجا ہے؟ طالبان کے نام پر نہتے اور بے گناہ افغان شہریوں پر بمباری کیوں کی جاتی ہے؟ توہین آمیز خاکے شائع کرنے کی جرأت کیونکر ہوئی ہے؟ پوپ بینی ڈکٹ کو اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی پر کون سی چیز ابھارتی ہے؟ اور اسپین کا وزیر اعظم اس کی تائید کیوں کرتا ہے؟ یہ اور ان جیسے دیگر بے شمار سوالات قابل غور ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم ان سوالات کے جوابات میں اُمتِ مسلمہ کے زوال کے بنیادی مرض کو ڈھونڈیں اور مرض کی تشخیص کے بعد اس کا علاج تجویز کر کے مرض کے ازالے کے لیے ہمہ تن مصروفِ عمل ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ رونے دھونے، آنسو بہانے، مذاکرے، مباحثے، سیمینارز، کانفرنسیں، جلسے، جلوس، ہڑتالیں اور ''زندہ باد، مردہ باد'' کے نعرے لگانے کا نہیں بلکہ عمل کا وقت ہے۔ جب تک ہم اقدام کے لیے تیار نہیں ہوتے تب تک اس طرح کی راوئیدادِ غم سامنے آتی رہیں گی اور '' وامعتصما '' کی صدا پر '' لبیك '' کہنے والا کوئی نہ ہوگا۔

امریکہ و مغرب کی ترقی و عروج اور غلبے کا سبب ان کا مضبوط سیاسی، عسکری اور اقتصادی نظام ہے جس کا واحد توڑ اور مسلمانوں کے عروج و غلبے کا راز اسلامی نظام کے نفاذ میں مضمر ہے۔ مسلمان جتنا جلد اس حقیقت کو پالیں گے اتنا جلد اس کے مسائل حل ہوں گے اور مصائب و آلام میں کمی آئے گی۔

ربِ کریم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں احیاءِ اسلام کے لیے ہمہ تن جدوجہد کرنے اور ہر قسم کی قربانی دینے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

ایک مردِ جری کا سفارت سے
اَسارت تک کا سفر

پروفیسر ضیاء الرحمٰن کشمیری

میرے نزدیک ہر وہ انسان عقیدت واحترام کے لائق ہے جو مساعد و نامساعد، ہر طرح کے حالات میں سود و زیاں کا حساب رکھے بغیر باطل کے سامنے سینہ سپر ہو جائے۔ قحط الرجال کے اس دور میں ایک ایسے ہی جری افغان نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اس کی عزیمت اور جہد مسلسل کو عقیدت بھرا اسلام پیش کروں۔ وہ جری افغان جو دنیا کے ایک کمزور ترین ملک افغانستان کا سفیر ہوتے ہوئے، دنیا کے طاقت ور ترین ملک امریکا کے طاقت ور ترین افراد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک تسلسل سے کلمۂ حق بلند کرتا چلا گیا۔ میری مراد افغانستان میں قائم طالبان کی امارتِ اسلامیہ کی طرف سے اسلام آباد میں متعین سفیر ملا عبد السلام ضعیف ہے۔ میں اس مردِ مجاہد کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ جس نے بادِ مخالف کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی اور جرأت و استقامت سے اپنے سفارتی فرائض بہترین انداز میں ادا کرتا رہا۔

ملا عبد السلام ضعیف سے میرا پہلا تعارف اسلام آباد کی ایک دینی درس گاہ میں ہوا۔ مئی 2000ء کا یہ ایک گرم ترین دن تھا۔ مری کے کوہسار بھی اسلام آباد پر برستی آگ کی شدت کو کم کرنے میں ناکام دکھائی دے رہے تھے، ایسے میں جس ہال نما کمرے کی فرشی نشست پر ہماری ملاقات کا اہتمام تھا، اس میں کم و بیش 45 سے 150 افراد ٹھنسے ہوئے تھے۔ ہم سب کی نگاہوں کا مرکز ملا عبد السلام ضعیف کی ہمہ جہت شخصیت ہی تھی۔ 2 گھنٹے پر محیط یہ ایک یادگار

ملاقات تھی۔ ہر کوئی ملا ضعیف سے مستقبل کی منصوبہ بندی کے بارے میں دریافت کر رہا تھا۔سوالات کی بوچھاڑ تھی لیکن وہ تلخ سے تلخ سوال کو بھی انتہائی خندہ پیشانی سے سن کر اس کا مختصر مگر جامع جواب دے رہے تھے۔سب ہی حاضرین ان کی حاضر جوابی کے معترف ہو چکے تھے۔اس پہلی ملاقات میں میں نے انہیں ایک انتہائی سنجیدہ ، متین ، دور اندیش ، صاحبِ علم ،صاحب فکر اور متواضع انسان پایا۔

اس کے بعد ان سے بیسیوں مرتبہ ملاقات رہی۔کبھی کسی پریس کانفرنس میں تو کبھی کسی جلسہ گاہ میں، کبھی کسی بریفنگ میں تو کبھی کھانے کی کسی دعوت میں۔الغرض جتنی مرتبہ بھی میری ان سے ملاقات ہوئی ، ہر مرتبہ ان کی شخصیت کی کئی اور خوبیاں مجھ پر منکشف ہوتی چلی گئیں۔میں سمجھتا ہوں اس دور میں کہ جب حالات کی نامساعدت کا رونا عام ہے اور مسلمانوں میں نا امیدی، مایوسی ، بے زاری اور پست ہمتی کے رجحانات سر اٹھا رہے ہیں، ملا ضعیف کا عزم و حوصلہ نئی نسل کے لیے ایک بیش بہا ارمغان ہے۔ملا ضعیف ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔ان کی زندگی کے تمام پہلو اور خوبیاں الگ سے ایک مفصل کتاب کی متقاضی ہیں۔اپنی تمام تر انسانی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ وہ ایک ایسی شخصیت ہیں، جس سے عقیدت بھی ہو سکتی ہے اور محبت بھی۔

جن دنوں ورلڈ ٹریڈ سینٹر (Twin Towers) سلامت تھے، اس وقت بھی امریکا اور مغربی طاقتیں افغانستان کی اسلامی امارت کے وجود اور سلامتی پر میڈیا اور جھوٹے پروپیگنڈوں کے ذریعے مسلسل حملے جاری رکھے ہوئے تھیں۔یہ رکیک حملے کسی حکومت یا ملک کے خلاف نہیں تھے بلکہ درحقیقت ان کا نشانہ اللہ کا پسندیدہ دین (اسلام) اور اس کا کامل و مکمل اور آخری آفاقی نظام تھا جسے امریکا و مغرب، روس کے اشتراکی نظام کی ناکامی کے بعد اپنے سرمایہ دارانہ نظام کا حریف قرار دے کر اس کے خلاف سازشوں کا باقاعدہ آغاز کر چکا تھا۔جب طالبان نے افغانستان کا اقتدار سنبھالنے کے ساتھ ہی اسلامی نظام

کے نفاذ کا اعلان کیا تو اہلِ مغرب کے پیٹ میں یہ مروڑ اٹھنے لگے کہ طالبان نے تباہ حال افغانستان کے اندر اسلامی قوانین کے ذریعے ایک مثالی امن کا قیام عملاً کیونکر کر دکھایا ہے۔ وہ افغانستان جو طالبان سے قبل کوکین، پوست اور ہیروئین جیسی خطرناک نشہ آور اشیاء کی پیداوار میں عالمی رینکنگ میں اول نمبر پر ''فائز'' تھا، طالبان کی آمد اور اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد اس لعنت کا افغانستان سے یکسر خاتمہ ہو گیا۔ روس کے انخلا کے بعد وارلارڈز جن کے جبر و تشدد سے افغان عوام عاجز آ چکے تھے، طالبان نے اس ظلم پر مبنی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ جہاں طالبان سے پہلے بھرے قافلوں کے اندر سے جوان لڑکیاں اغواء کر لی جاتی تھیں اور مال و دولت لوٹ لیا جاتا تھا، اب اسی معاشرے میں طالبان کے سپریم لیڈر ملا محمد عمر مجاہد یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ''اگر کوئی سونے کے زیورات سے لدی ہوئی جوان عورت تن تنہا قندھار سے کابل کا سفر کرنا چاہے تو وہ بے غم ہو کر چل پڑے، اس کی عزت اور مال کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ عمر پر ہے۔'' یہ محض دعویٰ نہ تھا بلکہ طالبان کے زیر کنٹرول علاقوں کا امن و امان، ان کے اس دعوے کی تصدیق کر رہا تھا۔

اہلِ مغرب کو یہ فکر بھی کسی کروٹ چین نہ لینے دیتی تھی کہ دنیا کے تقریباً تمام ہی ممالک ان کے پھیلائے ہوئے شیطانی جالوں ''آئی ایم ایف'' اور ''ورلڈ بینک'' کے چنگل میں پھنس کر ان کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں لیکن طالبان انتہائی نامساعد مالی حالات کے باوجود ان شیطانی جالوں کے دام میں پھنسنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ امریکا کے تھنک ٹینکس کانپتے ہاتھوں سے ہجرتِ مکہ، غزوہ بدر، غزوہ احد، فتح مکہ اور فارس و روم کی شاندار فتوحات سے متعلق اسلامی تاریخ کے اوراق الٹ پلٹ رہے تھے اور ان پر یہ خوفناک انکشاف ہیبت طاری کر رہا تھا کہ ابتدائے اسلام میں ہونے والی ان فتوحات کے اسباب میں جو خوبیاں اور اوصاف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور جاں نثاران پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے، آج تقریباً 14 سو برس گزرنے کے بعد طالبان کے اندر بھی ویسی ہی خوبیوں اور

اوصاف کی جھلک دکھائی دے رہی ہے۔ جمہوریت کے فریب کن نعرے کی آڑ میں پوری دنیا پر قبضہ کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ان تھنک ٹینکس کو یہ فکر لاحق ہو چکی تھی کہ اگر دنیا نے طالبان کے نافذ کردہ اسلامی نظام کی برکات وثمرات کو محسوس کر کے اسے مثالی اور قابلِ تقلید قرار دیا اور امریکا و مغرب کی امداد و تعاون کے بغیر اس نظام کو کامیاب ہوتا دیکھ لیا تو ان کے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کی منزل سراب میں بدل جائے گی اور نہ صرف عالم اسلام بلکہ عالم کفر کے اکثر ممالک بھی باطل جمہوریت اور غیر فطری و بوسیدہ سرمایہ دارانہ نظام کو خیر باد کہہ کر اسلام کے ''حقیقی نظام'' کی طرف مراجعت اختیار کر لیں گے۔ انہی اندیشوں کے پیش نظر امریکا اور مغرب شدید بے چینی کا شکار تھا۔ وہ ہر قیمت پر ''اسلامی نظام'' کی بساط لپیٹ دینا چاہتے تھے۔ اسی ایجنڈے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے شد و مد سے میڈیا کو بطور ہتھیار استعمال کرنا شروع کیا۔ 2000ء میں امریکا نے اپنے سالانہ بجٹ میں 5 ارب ڈالر کی خطیر رقم فقط طالبان کے خلاف لڑی جانے والی میڈیا وار کے لیے مختص کی۔ CIA کے سینکڑوں ایجنٹ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے نمائندوں کے روپ میں پاک افغان بارڈر پر جا بجا پھیل گئے۔ جگہ جگہ پروپیگنڈہ ساز فیکٹریاں کھل گئیں۔ اسلام اور طالبان کو بدنام کرنے کے لیے بڑے بڑے سفید جھوٹ گھڑے جانے لگے۔ ایسی ایسی رپورٹیں، خبریں اور فیچرز انٹرنیشنل میڈیا کی ''زینت'' بننے لگے جن کی سچائی پرکھنے کا کوئی مستند ذریعہ نہ تھا۔ شرعی پردے کو عورت کا استحصال کہا جانے لگا، شرعی سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں کہا گیا اور اسلامی نظام کو انسانیت سوز نظام باور کرایا جانے لگا۔ ایسے دگرگوں حالات میں دنیا کو اس مکروہ پروپیگنڈے کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے طالبان قیادت نے ملا عبدالسلام ضعیف کا پاکستان میں بطور سفیر انتخاب کیا تو ان پر کیا جانے والا یہی اعتماد ہی درحقیقت ان کی شخصیت کا اصل آئینہ ہے۔ اسلام آباد کے ''مورچے'' میں بیٹھ کر انہوں نے جو کام کیا بلاشبہ وہ اسلامی تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق اور تاریخ کا ایک

درخشندہ باب ہے۔ بالخصوص 9 ستمبر 2001ء کے بعد انہوں نے اپنا آرام تج کر ایک ایک لمحہ اسلام اور اپنی قوم و ملک کی وکالت کے لیے وقف کر دیا۔

11 ستمبر 2001ء کو جب امریکا کے مختلف حساس مقامات سے مسافر طیارے ٹکرائے اور اس کے نتیجے میں پینٹاگون کی جزوی تباہی اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی جڑواں عمارات کے زمین بوس ہونے کا واقعہ پیش آیا تو امریکا کے تھنک ٹینکس جن میں اکثریت صہیونیوں کی ہے، نے پہلے سے منصوبہ بند سازش کے ذریعے القاعدہ کو موردالزام ٹھہرا کر افغانستان میں نافذ اسلامی نظام پر شب خون مارنے کا شیطانی فیصلہ کر لیا۔ پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ جب بغیر کسی جرم اور ثبوت کے امریکا کے بی۔52 طیاروں نے کارپٹ بمباری سے افغان سرزمین کو ادھیڑنا شروع کر دیا۔ 17 اکتوبر 2001ء کی وہ سیاہ رات تاریخ عالم کے اوراق میں امریکا کے ''انسان دوستی'' اور ''تہذیب وتمدن'' کے علمبردار ہونے کے دعووں پر سوالیہ نشان کے طور پر ہمیشہ تحریر کی جاتی رہے گی۔ کروز میزائلوں اور بی۔52 طیاروں کی کارپٹ بمباری کر کے افغان عوام کو جس وحشیانہ طریقے سے نشانہ بنا گیا وہ امریکا کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکے کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ جدید عسکری ٹیکنالوجی کے گھوڑے پر سوار اس ترقی یافتہ وحشی قوم کی دست برد سے شہری آبادی بچ سکی اور نہ دیہات، مساجد محفوظ رہیں اور نہ ہی ہسپتال۔

ایک طرف افغانستان کے درودیوار جل رہے تھے تو دوسری طرف پاکستان میں ملا عبد السلام ضعیف چومکھی صحافتی جنگ لڑنے میں مصروف تھے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ان پر امریکا اور اس کے ایجنٹوں کا دباؤ بڑھتا چلا جا رہا تھا لیکن انہوں نے کسی لمحہ بھی کمزوری کا مظاہرہ کیا اور نہ خوف زدہ اور مرعوب ہوئے۔ اللہ پر توکل کے بعد انہیں پاکستانی قوم پر پورا اعتماد تھا لیکن یہاں کی غیر آئینی اور غیر منتخب حکومت سے وہ ابتداء ہی سے شاکی تھے۔ انہیں یہ اندازہ ہو چلا تھا کہ پاکستانی حکومت امریکا سے ان کی قیمت وصولنے سے بھی دریغ نہیں کرے گی۔ اسی اندیشے کے پیش نظر انہوں نے اپنی سرگرمیاں محدود کر لیں اور محتاط رویہ

اختیار کرلیا۔ جنگ کے دھانے پر کھڑی اپنی قوم اور ملک کے مورال کو بلند رکھنے کے لیے ایک سفیر جو کچھ کرسکتا تھا، انہوں نے یقیناً اس کا حق ادا کر دیا۔ حالات اس قدر سنگین ہو چکے تھے کہ ملا ضعیف کے فون ٹیپ ہونے لگے، ان کے ملاقاتیوں کی نگرانی کی جانے لگی اور پاکستان میں طالبان کے تمام اثاثہ جات کو ضبط کرلیا گیا۔ امریکا کا خوف، ایمان کی پختگی سے عاری پاکستانی قیادت کو وائٹ ہاؤس سے جاری ہونے والا ہر حکم بجالانے پر مجبور کرتا چلا گیا۔ آخر وہ نامبارک گھڑی بھی آہی گئی کہ اپنوں کی کھلی غداریوں کی وجہ سے ''سقوط کابل'' کا المناک سانحہ امت کا درد رکھنے والوں کو مرغ بسمل کی طرح تڑپا گیا۔

میر جعفر اور میر صادق کے بد باطن گروہ میں اپنا نام رقم کروانے والوں نے یہ تک نہ سوچا کہ جنرل ضیاء الحق بھی کبھی امریکا کی آنکھ کا تارا تھے۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ میاں نواز شریف اور محترمہ بے نظیر بھٹو بھی امریکا کی گڈ بک میں شامل رہی تھیں۔ وہ اس حقیقت کو بھی فراموش کر گئے کہ امریکا کے مستقل دوست صرف اس کے مفادات ہیں اور کوئی نہیں۔ جب اس کے مفادات پورے ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے ساتھ تعاون کرنے والے افراد کو بھی ٹھکانے لگانے سے باز نہیں آتا اور ''کام'' نکلوانے کے بعد پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔ افغانستان سے روس کے انخلا کے بعد کا طرز عمل اس کا واضح ثبوت ہے۔

اکثریتی دنیا کی طرف سے متفقہ طور پر جنیوا کنونشن میں منظور شدہ سفارتی آداب اور حقوق کی دھجیاں اڑا کر ملا عبدالسلام ضعیف کو جس غیر انسانی طریقے سے امریکا کے حوالے کیا گیا، یہ باب بھی ''مہذب'' دنیا کے یادگار ''کارنامے'' کے طور پر تاریخ عالم میں رقم رہے گا۔ ملا عبدالسلام ضعیف نے گوانتانا موبے میں 3 سال 10 ماہ کی اذیت ناک اسارت سے رہائی پانے کے بعد اپنے ساتھ پیش آنے والے تمام اہم واقعات کو بہترین اسلوب کے ساتھ من وعن کتابی صورت میں تحریر کیا ہے۔ اس کتاب میں موجود ہر ہر ورق ''مہذب دنیا'' کے چہرے پر پڑے سنہری نقاب کو نوچتا دکھائی دیتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہر با

شعور فرد اس حقیقت کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے کہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ کا اصل ہدف کیا ہے اور امریکا و مغرب اس سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ یہ کتاب ان غداروں کو بھی ننگا کرتی ہے کہ جو اقتدار کے سنگھاسن پر قبضہ جمائے، عوام اور پاکستان کی خدمت کا دعویٰ کرتے نہیں تھکتے۔ یہ کتاب در حقیقت ایک چارج شیٹ ہے جس میں اسلام دشمنوں کو خواہ وہ بدلے ہوئے بھیس میں اپنے ہوں یا غیر، عام مسلمانوں کی عدالت میں لا کھڑا کیا ہے۔ یہ کتاب اپنے اندر ایسی ٹھوس حقیقتیں رکھتی ہے جن سے کئی نادان مسلمان مغربی پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اب تک لاعلم تھے۔ یہ بے چارے میڈیا وار کا شکار ہو کر یہ سمجھتے رہے کہ امریکا کو پوری دنیا سے دہشت گردی کے خاتمے کا غم کھائے جا رہا ہے۔ مغربی میڈیا نے ان سادہ لوح مسلمانوں کے اذہان میں یہ بات ڈال رکھی تھی کہ وائٹ ہاؤس کے مکین انسانیت کی حفاظت اور امن و امان کے قیام کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اسی مغربی میڈیا کے ذریعے ان کو یہ باور کروا رکھا تھا کہ امریکا اور مغرب کے دست و بازو بننے والے "کرائے" کے "اہل ایمان" بھی بش کو اپنا مقتدیٰ بنائے آخری "دہشت گرد" کی موت تک "وار آن ٹیرر" کا ایندھن فراہم کرنے کا "نیک" عزم کیے ہوئے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کی اکثریت اس المیہ کا شکار ہے کہ مغربی میڈیا کے بیان کردہ حالات و واقعات کو بغیر کسی کسوٹی پر پرکھے فوراً سچ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس کتاب میں رقم انسانیت سوز واقعات مغربی میڈیا کے ڈسے ہوئے مسلمانوں کے لیے صراطِ مستقیم کی طرف مراجعت کا باعث اور درس عبرت ہیں۔

اس کتاب میں درج ملا ضعیف کے اس ایک جملے نے میری آنکھیں بھی بھگو دیں کہ "میرے سابقہ" دوستوں سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ وہ امریکیوں سے اتنا ہی کہہ دیتے، اسے ہمارے سامنے مت مارو۔" اس کتاب کو پڑھیں، بار بار پڑھیں اور پھر اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ فیصلہ کریں کہ امریکا و مغرب انسان دوست، جمہوریت پسند اور پوری دنیا میں امن و

امان کے حقیقی علمبردار ہیں یا اسلام و مسلمان دشمن اور ان کے "ایجنٹ" ملک و قوم کے خیر خواہ ہیں یا محض اپنے اقتدار کے محافظ۔ اگر کتاب کے مطالعہ کے بعد آپ حقیقت کو پالیں اور دوست و دشمن کو پہچان لیں تو پھر آپ خود ہی اپنا کردار متعین کر لیں کہ آپ کو اسلام اور مسلمانوں کے دفاع اور ترقی و غلبے کے لیے کون سا محاذ سنبھالنا ہے لیکن خدانخواستہ اگر یہ کتاب پڑھ کر بھی آپ یہود و نصاریٰ اور ان کے ایجنٹوں سے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں اور اسلام و مسلمانوں کے لیے کوئی مؤثر اور قابلِ ذکر کردار ادا کرنے کا عزم نہیں کرتے تو پھر نہ تاریخ ہمیں معاف کرے گی اور نہ ہی آخرت میں ہم کوئی اعزاز پا سکیں گے۔ اللہ ہم سب کو حق سمجھنے اور اس کے دفاع اور دنیا میں اس کے غلبے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یا رب العالمین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پیش لفظ

خالق و رازق کائنات کی حمد وثناء کے ساتھ ساتھ اپنے تمام عزیزوں اور ساتھیوں کو سلام پیش کرتا ہوں اور میں اپنے عظیم خالق کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے دنیا کے خونخوار بھیڑیوں (امریکیوں) کے پنجے سے با حفاظت نکال کرنئی زندگی بخشی، نیز ان تمام بھائیوں کا جنہوں نے میری رہائی میں مدددی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دورِ حاضر کی ظالم و جابر قوت (امریکا) جس نے اکیسویں صدی میں ظلم و جبر اور دباؤ کے تحت غیر قانونی گرفتاری ورہائی کا جو عمل روا رکھا ہے اور جہاں انہوں نے گوانتاناموبے میں انسانی حقوق کی تنظیموں اور اقوامِ متحدہ کے احکامات کو پس پشت ڈال کر بغیر کسی عدالتی کارروائی اور قانون کے قیدیوں کو حبس بے جا میں رکھا ہے میں بھی ان قیدیوں میں سے ایک قیدی ہوں۔ مجھے اپنے ''مخلص پاکستانی دوستوں'' کی طرف سے (بطورِ تحفہ) ان کے چنگل میں دیا گیا جہاں مجھے گوانتاناموبے کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا اور ٹھیک تین سال دس مہینے بعد مجھے افغان حکومت کے حوالے کیا گیا۔

بہت سے بھائی چاہتے تھے کہ گوانتاناموبے میں روا رکھے جانے والے مظالم سے تفصیلی طور پر باخبر ہو جائیں۔ ملاقات کے لیے آنے والے تمام احباب اور فون پر رابطہ کرنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی یہ خواہش تھی کہ گوانتاناموبے کا تصویری خاکہ جتنا جلد ہو سکے، کی اشاعت کروں اور اسے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں پیش کروں۔

میں نے بھی مجبوراً بے رغبتی کے عالم میں خفیہ مافی ضمیر باتیں لکھ ڈالی ہیں اللہ کرے کہ ان میں ان تمام دوستوں کے سوالات کے جوابات دے دیے گئے ہوں۔

محترم اور پیارے قارئین! میرے اس گلدستہ تحریر میں شاید آپ کے لیے چار چیزیں

قابل اعتراض ہوں۔

(۱) پہلی بات یہ کہ شاید بہت ساری ایسی تحریریں آپ کی نظروں سے گذریں جس میں ادبی پہلو کی کمی اور کبھی املائی غلطی ہو جس کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو میں لکھاری ہوں اور نہ ہی (تین سال دس مہینے تک قید کی صعوبتیں اور تشدد کے باعث) میری صحت ٹھیک رہتی ہے، امید ہے کہ آپ میری معذرت کو قبول فرمائیں گے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ بعض باتیں شاید آپ کے ذہنی انتشار کا سبب اور آپ کے دماغ پر بوجھ بنیں یا بعض قارئین شاید یہ اعتراض کر ڈالیں کہ بعض مطالب کو بعض مصلحتوں کی بنا پر ذکر نہ کیا جاتا تو اچھا ہوتا لیکن میں آپ کی سوچ وفکر کی قدر واحترام کرتا ہوں، البتہ مجھے دو چیزوں کا بے حد احساس ہے:

(i) نمبر ایک یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ مختلف طریقوں پر وہ سلوک نہ ہو جو ان کے خلاف حیوانیت اور بربریت پر مبنی ہو۔

(ii) دوم یہ کہ انسانی حقوق کے نام پر مسلمانوں کے ساتھ ظلم و جبر کا بازار دنیا کو دکھایا جائے اور امت مسلمہ اس ابلیسانہ چال اور زہر ملے شہد سے اپنے آپ کو بچائیں، اس طرح کے پروپیگنڈوں کے مقابلے میں بیدار اور تیار رہے۔

(۳) تیسرا یہ ہے کہ اس تحریر میں آپ کو ناشائستہ اور غلیظ الفاظ ملیں گے شاید بعض قارئین کی نظر میں وہ ناشائستہ اور ادب سے خالی ہوں یا بعض قارئین اس کو تعصب پر حمل کریں، پیارے قاری! ایسا نہیں خدا کی قسم! مجھے کسی کے ساتھ ذاتی تعصب قطعاً نہیں۔ اس طرح کے الفاظ سے شاید میری مظلومیت آپ پر آشکارا ہو اور میرے مظلوم جلے ہوئے دل کا بوجھ کم ہو دوسرا یہ کہ ہر شخص اپنے اعمال کا مسئول ہے چاہے وہ جو بھی ہو۔

تیسری بات یہ کہ اس تحریر میں بعض ممالک کی منافقانہ پالیسی اور کردار کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے جس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی ملک کے بارے میں یہ کچھ کہنا چاہیے بلکہ میری تحریر اس وقت کی حکومتوں کے ساتھ خاص ہے۔ میں پڑوس کے ملک، پاکستان میں تقریباً دو سال افغانستان کا سرکاری طور پر سفیر اور بڑا نمائندہ تھا اور یہ وہ وقت تھا کہ بیرونی دنیا (امریکہ

ویورپ) کی نظر میں افغانستان کی اسلامی امارت کا وجود خطرے کا ایک بڑا عنصر تھا اور انہوں نے بعض افغانیوں کی مدد سے اسلامی امارت کے ختم کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا اور اس کے لیے وہ لوگ مختلف طریقوں اور پہلوؤں پر غور وفکر کرتے رہتے تھے۔ امارت اسلامی کے ختم کرنے کے سلسلے میں بیرونی دنیا میں آباد بعض مخالف اور یورپی ذہن کے افغانوں کے ساتھ صلاح و مشورے اور مختلف ناموں سے کانفرنسیں ہوتی رہیں۔ افغانستان پر پابندی لگائی گئی اور ہر قسم کی تجارتی درآمدات، برآمدات، قرض، لین دین، بینکی حساب کتاب اور حکومتی کارندوں کے سفر، جہازوں کی تجارتی پروازوں پر بھی پابندیاں لگ گئیں۔ جس سے پورے ملک کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، میری زندگی میں یہ لمحہ انتہائی دکھ آمیز اور پریشان کن تھا۔ اس سے بھی سخت دل آزار پاکستان کی منافقانہ دورخی سیاست تھی جو ایک طرف تو مقدس جہاد کی باتیں کرتے تھے اور دوسری طرف وہ اپنے ائیر پورٹ اور انٹیلی جنس معلومات مظلوم افغانوں کے قتل عام اور افغانستان کی بربادی کے لیے امریکیوں کو دیتے رہے تھے لیکن یہ سب کچھ ہو گیا۔

میں اپنے اس دو سالہ عرصے میں حکومتی ذمہ داروں اور عام لوگوں کے ساتھ کافی اٹھتا بیٹھتا رہا پاکستانی عوام اسلامی تنظیمیں اور نشریاتی ادارے جو کہ اسلام دوست مسلمان ہیں اور اسلام کے ساتھ ان کی کامل محبت ہے وہ پاکستان اور اکیلے پرویز مشرف کے اس ظالمانہ عمل (امریکا کا اتحادی بن کر مظلوم افغان مسلمان بھائیوں کا خون بہانا) کے خلاف تھے اور اس کے لیے انہوں نے صدرِ پاکستان پرویز مشرف کے خلاف بڑے جلسے، جلوس اور احتجاجی ہڑتالیں کیں کہ پاکستان اپنے پڑوسی ملک افغانستان کے خلاف ایسا کوئی عمل نہ کرے جو ہمیشہ کے لیے تاریخ میں اس کے ماتھے پر کالا دھبہ پڑ جائے اور دوسری جانب اسے خود اس کا سامنا کرنا پڑے جو اپنے پڑوسی کے لیے چاہتا ہے۔ پشتو میں مثل مشہور ہے کہ "میرے ساتھ برامت کر کہ تیرے ساتھ ہو جائے۔"

پاکستانی قوم نے افغانستان کے ساتھ بے شمار نیکیاں اور مدد کی ہے۔ (خصوصاً روسی جارحیت کے بعد جہاں ان کے شانہ بشانہ روس کے خلاف علَم جہاد بلند کیا وہاں لاکھوں افغانوں کے لیے اپنی سرحدیں کھول دیں اور آج تک انہیں پناہ دی ہوئی ہے) تاریخ میں انہوں نے افغانوں کے ساتھ

بھائی چارے کا سلوک کیا ہے، پاکستانی قوم قابل صد احترام وعزت ہے کہ جن کا صرف اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے جذبے کے تحت طالبان اور اس سے قبل مجاہدین کے ساتھ محبت تھی اور ابھی تک انہوں نے افغان مہاجرین بھائیوں کو اپنے گھر پاکستان میں جگہ دی ہے۔

میں نے بہت سے پاکستانی بھائیوں اور بہنوں کو دیکھا جنہوں نے حکومتی پالیسی کے خلاف طالبان کے ساتھ بڑی مدد کی اور ان کے حق میں حکومت کے خلاف بڑے مظاہرے کیے، یہاں تک کہ خواتین نے اپنے قیمتی زیوارت جو ان کے ہاں ہر چیز سے قیمتی اور عزیز ہیں، طالبان کو (بطور امداد) دیئے۔

میں نے یہ دیکھا ہے کہ عام غریب مزدور بھی حسبِ استطاعت اپنا حصہ طالبان کے فنڈ میں ڈالتا رہا یہ میرے دل پر ایک انوکھی تصویر ہے۔

میں ان تمام مسلمان بھائیوں کے لیے رب العزت کے دربار میں عظیم اجر وثواب مانگتا ہوں جنہوں نے مصیبت کی گھڑی میں افغان بھائیوں کی دستگیری کی، اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر رحمت کریں تو قیامت کے دن جس دن حساب کتاب ہوگا میں ان تمام بہنوں اور بھائیوں کے حق میں گواہی دوں گا جنہوں نے مصیبت کی گھڑی میں ہمیں نہیں بھلایا اور ہمارا ساتھ دیا۔ ان شاء اللہ

گزشتہ دہائیوں میں پاکستانی ملت کی قربانی اور جذبہ (نائن الیون کے بعد) پاکستانی ایجنسیوں اور ایجنٹوں کی منافقانہ (اور اسلام دشمنی) پالیسی نہیں مٹا سکتی۔

میں بذاتِ خود ان تمام مسلمان بہن بھائیوں کا بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے (امریکی) حملہ آوروں کے حملے سے قبل بھی بقدرِ استطاعت ہمارا ساتھ دیا تھا۔

اللہ رب العزت ہمیں اس سخت ابتلاء سے بچائے اور آنے والے زمانے کے شر انگیز فتنوں اور زہر آلود چالوں سے ہمارے پاک ملک افغانستان کو پوری اسلامی دنیا سمیت بچائے۔

والسلام

عبدالسلام ضعیف

کابل، افغانستان

خواب اور اس کی حقیقی تعبیر

میں نے پاکستان میں اپنی گرفتاری سے تقریباً چھ دن قبل ایسا خواب دیکھا جو بڑا دردناک اور وحشتناک تھا جس نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا بڑا بھائی جس کے ہاتھ میں قصابوں والی بڑی چھری تھی، لہراتا ہوا میرے قریب آیا، اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات تھے اور مسلسل مجھے گھور رہا تھا، مزید قریب آ کر اس نے نرم لہجے میں کہا: ''بھائی اس چھری سے میں آپ کو ذبح کرنا چاہتا ہوں'' یہ کہہ کر اس نے آستین چڑھائی۔ میں حیران تھا اور وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میرا اپنا بھائی اس قسم کا ناروا ارادہ باندھ سکتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کے ساتھ کبھی برا سلوک بھی نہ کیا تھا، نہ ہی اس کے حق میں کوئی کوتاہی کی تھی۔ میں نے سوچا آخر اس کو اس خطرناک ارادے پر کس چیز نے ابھارا ہے۔ اور یہ کہ اگر بڑے بھائی کی خوشی اسی میں ہے تو مجھے ان کی خواہش پوری کرنا چاہیے اور مزاحمت نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے نرمی سے پوچھا: ''بھائی! میں نے کبھی آپ کے ساتھ برا سلوک نہیں کیا، پھر آپ نے اتنا خطرناک ارادہ کر لیا، آپ کس بات کا انتقام لینا چاہتے ہیں اور کیوں غیر شرعی کام کرنے پر تلے ہوئے ہیں؟'' بھائی نے جواب نہیں دیا اور آگے سے اس پر اصرار کر رہا تھا کہ مجھے آپ کو ذبح کرنا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ پہلے تو میں اسے منالوں گا کہ یہ بہت بڑا اقدام ہے۔ لیکن اگر وہ نہ مانا تو پھر بڑا سمجھ کر میں خود قربانی دے دوں گا۔ چنانچہ ہوا یوں کہ میں نے اسے منواتے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی بات پر ڈٹا ہوا تھا آخر میں نے کہا کہ اپنا ارادہ شوق سے پورا کر لے اور اس امید کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا کہ شاید اس کا دل پسیج جائے اور تھوڑا رحم آ جائے مگر میری امیدوں پر پانی پھر گیا اور میرے اپنے بھائی نے انتہائی بے رحمی سے چھری میرے گلے پر پھیر کر مجھے ذبح کر ڈالا۔ میں نے یہ خواب کسی کو سنایا اور نہ خود تعبیر معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اس بھیانک خواب کو دیکھنے کے ٹھیک چار پانچ دن بعد

میں نے پاکستانی حکام کو اپنے گھر کا چاروں طرف سے محاصرہ کرتے ہوئے پایا۔

گرفتاری:

یہ 2 جنوری 2002ء کی صبح تھی، پاکستان میں سال نو کی تقریبات اختتام پذیر ہو چکی تھیں۔ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ معمول کی زندگی گزار رہا تھا اور ہر وقت افغانستان میں رہنے والے گمشدہ بھائیوں اور شہیدوں کی فکر میں مبتلا رہتا تھا۔ جو سنگدل ظالم دوست کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ میں ان کی قسمت پر کڑھتا تھا مگر اپنی تقدیر سے لاعلم تھا۔ تقریباً 8 بجے کا وقت تھا، گھر کے محافظوں نے اطلاع دی کہ چند پاکستانی سرکاری اہلکار آپ سے ملنے آئے ہیں۔ مہمانوں کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھایا۔ یہ تین افراد تھے، ان میں ایک پختون (جو اپنا نام گلزار بتاتا تھا) اور باقی دو اردو بولنے والے تھے۔ میں نے افغان روایات کے مطابق تینوں مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور چائے بسکٹ سے تواضع کی۔ میں متجسس تھا کہ وہ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟

اب تم محترم نہیں ہو:

اردو بولنے والے ایک سیاہ رنگ کے موٹے کلین شیو شخص نے جس کے چہرے سے نفرت اور تعصب ٹپکتی تھی جس کا پیٹ پھولا ہوا اور بڑے موٹے ہونٹ تھے اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے دوزخ کا ایلچی ہو، نے بڑے غیر مودبانہ انداز میں بات شروع کی اور پہلا جملہ ادا کیا:

Your Excellency you are no more Excellency.

(بڑے محترم اب تم محترم نہیں ہو)

یہ وہ الفاظ تھے جو سخت دشمنی اور تعصب کی بنیاد پر استعمال ہوتے ہیں اور کم عقل لوگوں کے منہ سے اکثر و بیشتر استعمال ہوتے ہیں اور یہاں ان الفاظ کی کوئی ضرورت نہ تھی سوائے تعصب اور دشمنی کے اظہار کے۔

پھر وہ شخص بولا: ''آپ جانتے ہیں کہ امریکا بہت بڑی طاقت ہے اور کوئی اس کا مقابلہ

کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا، نہ ہی کوئی اس کا حکم ماننے سے انکار کی جرات کرسکتا ہے، امریکا کو آپ کی ضرورت ہے تا کہ آپ سے پوچھ گچھ کی جا سکے۔ ہم آپ کو امریکا کے حوالے کرنے آئے ہیں تا کہ اس کا مقصد بھی پورا ہو اور پاکستان کو بھی بڑے خطرے سے بچایا جا سکے۔" میں نے بحث شروع کر دی اور کہا کہ چلو مان لیا آپ کے بقول امریکا ایک سپر طاقت ہے لیکن دنیا کے کچھ قوانین اور اصول بھی تو ہیں، جن کے تحت لوگ زندگی گزارتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ کن مُروجہ اسلامی یا غیر اسلامی قوانین کے تحت مجھ سے یہ بدسلوکی کی جارہی ہے؟ (حالانکہ کسی بھی ملک کے سفیر کا تحفظ اور عزت بین الاقوامی مسلمہ اصول ہے) آپ کس کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ آپ کا اخلاقی فرض ہے کہ مجھے میرے سوالوں کا جواب دیں اور مجھے اتنی مہلت دیں کہ میں آپ کا ملک پاکستان چھوڑ دوں۔ میری باتوں پر اس بے رحم بد بخت "مزدور" نے انتہائی بے شرمی سے اور غراتے ہوئے کہا: "آج ہمیں اسلام یا قانون نہیں پاکستان کے مفادات عزیز ہیں۔" (درحقیقت اپنے شخصی اقتدار کا تحفظ مقصود تھا) میں نے یہ بات سنی تو سمجھ گیا کہ اب کوئی دلیل اور عذر کام نہ آسکے گا۔ خاموشی اختیار کرنے سے قبل صرف اتنا کہا کہ جو آپ کی مرضی ہے کریں، ہم بے بس اور مجبور لوگ ہیں سوائے خداوند قدوس کے کوئی دوسرا آسرا اور امید نہیں۔ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ آپ 12 بجے تک گھر میں رہیں گے اس کے بعد آپ کو پشاور لے جایا جائے گا۔ میری رہائش گاہ کو چاروں طرف سے محاصرے میں لیا گیا تھا اور باہر جانے کا کوئی راستہ تھا نہ کوئی امید۔ ٹیلی فون کے ذریعے پاکستان کے دفتر خارجہ سے رابطہ کیا مگر سوائے خاموشی کے کچھ ہاتھ نہ آیا اور ذمہ داروں نے جواب دینے سے اعراض کیا۔

گھر سے بیدخلی:

پھر وہ لمحہ بھی آیا جب مزید سرکاری حکام آئے اور شاہی حکم صادر کیا کہ آپ کو پشاور منتقل کیا جا رہا ہے جہاں آپ ہمارے مہمان رہیں گے اور امریکی آپ سے صرف پوچھ گچھ کریں گے۔ ہو

سکتا ہے دس دن بعد آپ گھر واپس آجائیں۔یہی اطمینان میرے اہل وعیال کو بھی دلایا گیا اور مجھے یقین دلایا گیا کہ جب تک میں ان کا ''مہمان'' ہوں میرے خاندان کی رہائش اور خوراک وغیرہ کا بندوبست کیا جاتا رہے گا۔میرا یہ سب کچھ ادھر ہی رہ گیا۔میرے پاس دس مہینے کا ویزا تھا اور حکومتِ پاکستان کا یہ رسمی اجازت نامہ بھی کہ میں اس وقت تک پاکستان میں قیام کر سکتا ہوں جب تک افغانستان کے حالات ٹھیک نہیں ہوجاتے جبکہ اقوام متحدہ کا وہ لیٹر بھی تھا جس میں پاکستانی حکام کو کہا گیا تھا کہ یہ (ملا عبدالسلام ضعیف) اہم شخصیت ہیں ان کا احترام ہونا چاہیے۔

بچوں کی چیخ وپکار:

لگ بھگ 12 بجے کا وقت تھا جب تین گاڑیاں آئیں اور مسلح اہلکاروں نے گھر کا محاصرہ کر کے راستے اور لوگوں کی آمد ورفت کو بند کر دیا۔اس وقت میڈیا کے لوگوں کو بھی مجھ سے ملنے کی اجازت نہ دی گئی۔مجھے باہر نکلنے کا حکم دیا۔میں ایسے حال میں گھر سے نکلا جب میرے بیوی بچے چیخ وپکار کر رہے تھے۔میں اپنے بچوں کی طرف مڑ کر نہ دیکھ سکتا تھا کیونکہ میرے پاس ان کے لیے تسلی کا ایک لفظ بھی نہ تھا۔

''اسلام کے محافظ'' پاکستانی حکام سے مجھے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ مجھے چند پیسوں کی خاطر امریکا کو ''تحفہ'' بنا کر پیش کر دیا جائے گا (جس کا اعتراف جنرل پرویز مشرف نے اپنی کتاب ''ان دی لائن آف دی فائر'' میں بھی کیا ہے) میں اس فکر میں گھر سے نکلا کہ اتنا ظلم کیوں ہو رہا ہے؟ کہاں گئی جمہوریت اور کہاں گئے انسانی حقوق؟ مقدس جہاد کی باتیں کرنے والوں کو آخر کیا ہو گیا؟ مجھے ایک گاڑی میں درمیان میں بٹھایا گیا۔گاڑی کے شیشے کالے تھے جن کے آر پار کچھ نہ دیکھا جا سکتا تھا۔ہماری گاڑی کے آگے سیکورٹی کی گاڑی تھی جبکہ تیسری گاڑی ہمارے پیچھے تھی جس میں مسلح اہلکار تھے۔مجھے پشاور روانہ کیا گیا۔راستے میں نسوانی آواز میں گانے سنائے جاتے رہے تاکہ مجھے تنگ کیا جائے اور ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جائے۔میں نے راستے میں ظہر کی نماز پڑھنا چاہی جو قضاء ہونے کے قریب تھی مگر کہا

گیا کہ پشاور میں پڑھ لو گے۔ میرے بار بار مطالبے پر بھی پروا نہیں کی گئی۔ پشاور پہنچے تو ایک دفتر نما جگہ لے جایا گیا۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ کون سی جگہ تھی۔ مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا جو خوبصورت میز اور کرسیوں سے سجا ہوا تھا۔ کمرے میں قائداعظم کی تصویر تھی جبکہ میز پر پاکستانی جھنڈا لگا ہوا تھا۔ سامنے گھومنے والی کرسی پر پاکستانی شلوار قمیص میں ملبوس ایک میانہ قد پختون بیٹھا مسلسل کرسی میں گھومے جا رہا تھا۔ اس نے مجھے خوش آمدید کہا اور اپنا تعارف دفتر کے سربراہ کے طور پر کرایا۔ اس نے کہا کہ ''آپ ہمارے ایسے مہمان ہیں جن کے آنے پر ہم بہت خوش ہیں'' میں ان الفاظ کے معانی جاننے سے قاصر تھا مگر لگتا تھا کہ وہ شخص ٹھیک کہتا تھا، شاید وہ خوش اس لیے تھا کہ اس کو میرے فروخت کرنے کے عوض بہت اچھا معاوضہ ملنے والا تھا۔ انسانوں کے سوداگروں (درحقیقت ضمیر فروشوں) کے لیے ڈالروں کے بدلے کسی مسلمان کا سودا جائز اور عین ''جہاد'' ہے۔

یہاں میں نے نماز پڑھی۔ دفتر کے سربراہ نے چائے پلائی اور کھانا کھلایا۔ پھر مجھے ایسے کمرے میں لے جایا گیا جو قیدیوں کے لیے مخصوص تھا۔ نسبتاً اچھا کمرہ تھا جس میں گیس، بجلی وغیرہ کی سہولت تھی، جو سردی کو روکتی تھی، اٹیچ باتھ روم تھا جہاں پانی وافر مقدار میں موجود تھا۔ اچھی خوراک دی گئی، قرآن پاک کا نسخہ اور قلم کتابچہ بھی دیا گیا، ایک پہرے دار کو مجھ پر نظر رکھنے پر مامور کر دیا گیا جس سے جو مانگتا، دے دیتا تھا۔ تفتیش وغیرہ کا سلسلہ نہ تھا البتہ ایک شخص بار بار آتا جو عہدیدار معلوم ہوتا تھا پشتو نہیں جانتا تھا اور مجھے اردو نہیں آتی تھی اس نے مجھ سے انگریزی میں پوچھا:

What will happend?

(کیا ہونے والا ہے؟)

میں نے جواب دیا اللہ جانتا ہے، میں نہیں جانتا۔

اس دوران حکام آتے، اچھے طریقے سے سلام دعا کرتے اور مجھے احترام دیتے،

باتیں نہیں کرتے تھے مگر صاف دکھائی دیتا تھا کہ جب وہ مجھے دیکھتے تو ان کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آتے اور واپس پلٹ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کمرے میں آیا بہت احترام دیا پھر اچانک بلک بلک کر رونے لگا۔ اتنا رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ اس کو اٹھا کر باہر لے جایا گیا جس کے بعد کوئی کمرے میں نہیں آیا۔ چار گھنٹے بعد مجھے (پروگرام کے مطابق) امریکیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اس واقعہ سے پہلے میں نے دو راتیں اسی کمرے میں گزاریں۔ تیسری رات 11 بجے کے قریب میں نے سونے کا ارادہ کیا کہ اچانک دروازہ کھلا اور شلوار قمیص میں ملبوس چھوٹی ڈاڑھی والا ایک شخص اندر داخل ہوا اور خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھا کیا ہونے والا ہے؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی، پھر اس نے کہا ہم آپ کو دوسری جگہ منتقل کر رہے ہیں۔

"خدا حافظ":

میں نے یہ نہیں پوچھا کہ مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے کیونکہ مجھے سچ کی امید نہیں تھی۔ مجھے واش روم استعمال کرنے کے لیے پانچ منٹ دیے گئے۔ ٹھیک دس منٹ بعد کمرے سے نکال کر پہلی بار ہتھکڑیاں لگائی گئیں اور آنکھوں پر کالی پٹی باندھی گئی، جیبوں کی تلاشی لی گئی اور ڈیجیٹل ڈائریکٹری، پاکٹ سائز قرآن مجید کا نسخہ اور کچھ رقم لے کر مجھے دھکے دے کر گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھے افراد خاموش تھے، کوئی کچھ نہ بول رہا تھا۔ گاڑی نے حرکت کی اور لگ بھگ ایک گھنٹے بعد میں نے ہیلی کاپٹر کی آواز سنی۔ مجھے (آثار و قرائن سے) یقین ہونے لگا کہ ہیلی کاپٹر امریکی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ گاڑی ہیلی کاپٹر کے قریب ہوتی گئی اور اس کی آواز کانوں کو پھاڑنے لگی۔ اس دوران مجھے ضرب پڑی اور میری کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی اس ضرب کے نتیجے میں گر گئی یا (اس بہانے) مجھ سے لے لی گئی۔ ہیلی کاپٹر کے قریب پہنچ کر مجھے دو افراد کی مدد سے گاڑی سے اتارا گیا اور ہیلی کاپٹر سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا کر دیا گیا۔ چند لمحوں بعد میں نے "خدا حافظ" کے الفاظ سنے

یہاں مجھے پوری طرح یقین ہو گیا کہ میں امریکیوں کے حوالے کر دیا گیا ہوں۔

امریکیوں کی حوالگی:

''خدا حافظ'' کے الفاظ سننے کے بعد میں نے کچھ لوگوں کی آوازیں سنیں جو انگریزی میں باتیں کر رہے تھے۔ پھر اچانک وہ لوگ ریچھوں کی طرح مجھ پر حملہ آور ہو گئے اور مجھ پر لاتوں، گھونسوں اور مکوں کی بارش کرنے لگے۔ یہ سب اتنا کچھ اچانک تھا کہ مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ میرے کپڑے پھاڑنے کی کوشش کی گئی، کبھی اوندھے منہ لٹا دیا جاتا، کبھی کھڑا کر کے دھکا دے دیا جاتا، میرے کپڑے چاقوؤں کی مدد سے پھاڑ دیے گئے، اس دوران میری آنکھوں پر بندھی پٹی اتر گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک طرف پاکستانی فوجی قطار بنائے کھڑے تھے جبکہ ساتھ ہی آفیسرز کی گاڑیاں تھیں جن میں ایک پر جھنڈا لگا ہوا تھا۔

تماشہ دیکھتے رہے:

امریکیوں نے مجھے مارا پیٹا اور بے لباس کر دیا مگر اسلام کے یہ محافظ'' میرے سابقہ دوست'' یہ تماشہ دیکھتے رہے اور ان کی زبان پر لگے تالے میرے لیے ناقابل فراموش ہیں۔ انہوں نے میری حوالگی کے سارے تقاضے پورے کر رکھے تھے۔ یہ وہ لمحات تھے جن کو میں قبر میں بھی نہ بھول سکوں گا۔ میں کوئی قاتل، چور، ڈاکو یا قانون کا مجرم نہیں تھا، (بلکہ ایک مسلمان ملک کا باقاعدہ سفیر تھا) مجھے بغیر کسی جرم کے امریکا کے حوالے کیا جا رہا تھا۔ وہاں موجود آفیسرز کم از کم اتنا تو کہہ سکتے تھے (مگر غلام اتنا کہنے کی ہمت بھی نہیں رکھتے) کہ یہ ہمارے مہمان ہیں، ہماری موجودگی میں ان کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا جائے۔ وحشی، متعصب اور بے رحم امریکی فوجیوں نے ایسی حالت میں مجھے زمین پر پٹخ دیا کہ میرا جسم ننگا تھا، (ننگی اور مادر پدر آزاد تہذیب کے پروردہ یافتوں کے لیے ایک مسلمان کا برہنہ ہونا کیا حیثیت رکھتا ہے؟) پھر مجھے ہیلی کاپٹر میں دھکیلا جہاں میرے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے کس کے باندھ دیے گئے اور آنکھوں پر پٹی بھی دوبارہ باندھی گئی۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہ کیا میرے چہرے کو سیاہ تھیلے

سے بھی ڈھانپ دیا۔ پھر میرے اردگرد سر سے پاؤں تک رسی باندھی اور ہیلی کاپٹر کے وسط میں زنجیر سے باندھ دیا۔ ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوگیا۔ میں جب حرکت کی کوشش کرتا تو زور دار لات پڑتی، مجھے ایسا لگا کہ آنے والے چند لمحوں میں میری روح اور جسم کا رشتہ ختم ہونے والا ہے۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ میں کتنی دیر تک اس کرب میں مبتلا رہا۔ آخرکار ہیلی کاپٹر ایک جگہ اتر گیا، وحشی امریکی درندوں نے ہیلی کاپٹر سے گھسیٹتے ہوئے مجھے نیچے پھینک دیا جس کے ساتھ ہی وہاں پہلے سے موجود دوسرے امریکی بھی مجھ پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگے اور میرا وہ حال کیا جو بیان سے باہر ہے۔ الٹا لٹا کر میرے اوپر چار پانچ افراد بیٹھ گئے اور ایسے باتیں کرنے لگے جیسے کسی اجلاس میں بیٹھے ہوں۔ میری سانس نہیں نکل رہی تھی، بے اختیار دل ہی دل میں حضرت عزرائیل کو پکار رہا تھا کہ اے عزرائیل! کہاں ہو؟؟؟

بحری بیڑے میں:

مجھے اس جگہ دو گھنٹے اسی کرب میں رکھا گیا پھر دوسرے ہیلی کاپٹر میں سوار کرا کر ایک آہنی کرسی سے باندھ دیا گیا۔ اب کی بار مجھے مار نہیں پڑ رہی تھی۔ 20/25 منٹ بعد ہیلی کاپٹر نیچے اترا۔ مجھے اندر ہی کھڑا کیا گیا۔ یہاں متعدد جہازوں کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ مجھے نیچے اتار کر چہرے سے نقاب ہٹا دیا گیا اور آنکھوں کی پٹی بھی اتار دی گئی، دیکھا کہ چند امریکی فوجی کھڑے ہیں۔ بائیں جانب ایک قید خانہ نظر آیا جس میں چند قیدیوں کو باندھا گیا تھا۔ اسی جگہ مجھے بھی ڈال دیا گیا، یہاں موجود ایک چھوٹے سے واش روم میں مجھے منہ ہاتھ دھونے کو کہا گیا مگر میرے ہاتھوں میں سکت نہیں تھی (کہ میں اپنے ہاتھ دھو لیتا) میں نے اتنا کیا کہ خود کو گیلا کر دیا، پھر مجھے ایک چادر دے کر ایسے کمرے میں لے جایا گیا جو دو میٹر لمبا اور ایک میٹر اونچا تھا۔ رفع حاجت کی جگہ بھی اتنی سی جگہ میں تھی۔ کمرے کی دیواریں آہنی تھیں اوپر سے مضبوط آہنی جالیاں بھی لگائی گئی تھیں۔ مجھے سونے کا کہا گیا مگر نہ بستر تھا نہ تکیہ۔ حیران تھا کہ میں کہاں لایا گیا ہوں اور مزید کس سلوک کا سامنا کرنا پڑے گا؟

ایک فوجی کمرے کے سامنے کھڑا تھا خوب سوچ بچار کے بعد مجھے علم ہوا کہ یہ ایک بالکل بند جگہ تھی تین اور چھوٹے کمرے تھے اور ایک کلینک، ایک میڈیکل اسٹور تھا جس کے ساتھ ایک کمپوڈر ہمیشہ بیٹھا رہتا تھا اس کمرے کا ایک دروازہ تھا اور پانی کی بھی کمی تھی یہاں پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ شاید انڈر گراؤنڈ جیل ہو، جنہیں افغانستان کی جنگ کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔ صبح و شام نقل و حرکت اور بھاری مشینری کی آوازوں سے بہت جلد میرے احساسات یقینیات میں بدل گئے اور یہ واقعی ایک انڈر گراؤنڈ جیل تھی جنہیں افغانستان کی جنگ کے لیے مختص کیا گیا تھا اور ہم اس کے نیچے چھٹے بلاک میں تھے۔

دیگر طالبان رہنماؤں کے ساتھ:

اس کے علاوہ میں بہت زیادہ ڈر گیا تھا اور بہت کم پلکوں کو حرکت دیتا تھا اور زبان تالوں کے ساتھ چپک گئی لیکن میں سوچتا رہا، بائیں جانب ایک بڑا کمرہ دکھائی دے رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں بھی قیدی ہیں۔ میں نے یہ سوچا کہ شاید بعض طالبان بھائی بھی یہاں ہوں، صبح کھانے پر تمام قیدی بھائیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا ایک اور بھائی بھی یہاں قیدی بن کر آیا ہے ہم ایک دوسرے کے ساتھ بات نہیں کر سکتے تھے، البتہ ہم روٹی کی آڑ میں چپکے چپکے چوری سے ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے، دو دن کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ملا فاضل محمد، نور اللہ نوری صاحب، برہان وثیق صاحب اور غلام روحانی بھی یہاں قید ہیں لیکن پھر بھی ہم آپس میں گفتگو نہ کر سکے یہ تمام طالبان رہنما تھے۔

ملا عمر کہاں ہیں؟

صبح مجھے ہتھکڑی پہنا کر ایک دوسرے کمرے میں لے جایا گیا جہاں تفتیش کا پہلا دور شروع ہوا، میری انگلیوں کے نشانات لیے گئے، فوٹوگرافی ہوئی اور بائیوگرافی لکھی گئی۔ اس کے علاوہ کوئی سوال جواب کیے بغیر واپس اسی قید خانے میں لایا گیا جہاں رات کا کھانا پلاسٹک کے برتنوں میں پڑا ملا۔ ہلکا پھلکا کھانے کے بعد برتن فوجیوں کو واپس کر دیے جس

کے بعد سونے کا ارادہ باندھا۔ ابھی آنکھیں بند ہی ہو رہی تھیں کہ فوجیوں کے شور سے جاگ گیا۔ مجھے پکڑ کر دوبارہ تفتیش والے کمرے میں لے جایا گیا جہاں پہلی دفعہ مجھ سے اسامہ بن لادن اور ملا عمر کے بارے میں سوالات پوچھے گئے کہ وہ کہاں تھے؟ کدھر چلے گئے؟ ابھی کہاں ہوں گے؟ اور کیسے ہوں گے؟ عام طور پر طالبان کے رہنماؤں کے متعلق پوچھا گیا کہ ان کا کیا بنا؟ وہ کدھر ہیں؟ اور کیسی حالت میں ہیں؟ وہ کہاں چلے گئے؟ ایک سوال وہ بار بار پوچھتے رہے کہ نائن الیون کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ آپ کو کوئی معلومات ہیں؟ یا آپ نے اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟

البتہ یہ وہ مقصودی سوالات تھے کہ پہلی بار وہ اس کے جوابات کے متلاشی تھے اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ علم بھی تھا کہ اس واقعے سے میرا کوئی رابطہ نہیں تھا اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے۔ ابھی تک کسی کو بھی اس کا سراغ نہ مل سکا۔ ہزاروں لوگ بے عزت کیے گئے، ہزاروں مسلمان شہید ہوئے' ہزاروں مسلمان قیدی بنائے گئے اور ابھی تک قتل و غارت گری اور قید و بند کا سلسلہ جاری ہے۔

ابھی تک اس کے کوئی شواہد عدالت کو پیش کیے گئے اور نہ ہی امریکی قوم کو اطمینان بخش جواب دیا گیا۔ (جب شواہد اور ثبوت ہی نہیں تھے کہاں سے عدالت میں پیش کرتے اور کیسے اپنے عوام کو اس پر مطمئن کرتے؟ بلکہ آہستہ آہستہ اس صہیونی سازش کی حقیقت کھلتی چلی گئی اور پس پردہ سازش سے پردہ اٹھا) یکطرفہ طور پر بغیر کسی دلیل و شواہد کے الزامات لگائے جا رہے ہیں اور بغیر کسی قانون و قاعدہ کے ظلم و جبر کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ (امریکہ کے نزدیک بین الاقوامی مسلمہ اصول و قوانین کی کوئی اہمیت نہیں ہے، جس کا مشاہدہ عراق کے خلاف جارحیت کے فیصلے اور عملی اقدام سے کیا گیا تھا)

فولادی پنجہ:

دہشت گردی کا لفظ امریکیوں کے لیے ایک فولادی پنجہ ہیں جسے چاہتے ہیں وہ اس

سے اس کا سر دے مارتے ہیں اور ان کی گرفتاری اور رہائی عمل میں لاتے ہیں اور ان کا یہ مکروفریب دوسرے تمام ملکوں پر آشکارا ہو چکا ہے۔ چار پانچ دن تک یومیہ تفتیش دو مرتبہ مکرر ہوتی رہی اور وہی پرانے سوالات پوچھے جاتے رہے لیکن میرے لیے یہاں اچھی بات یہ تھی کہ یہاں کوئی سختی، مار پیٹ اور سزا نہ تھی لیکن طبعی طور پر ایسے تنگ مکان میں زندہ رہنے کے باوجود زندگی بڑی مشکل سے بسر ہوتی ہے۔

"باتیں مت کرو اور ہلو مت":

پانچ چھ دن کے بعد صبح ناشتے پر مجھے خاکی رنگ کا یونیفارم دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ پرانے یونیفارم کی جگہ اسے پہن لو، یونیفارم تبدیل کرنے کے فوراً بعد منتقلی کا کام شروع ہو گیا۔ تمام قیدیوں کے ہاتھوں کو پلاسٹک کی رسی سے باندھا گیا اور ان کے سروں پر تھیلے چڑھائے گئے، تھیلوں کے تسموں کو ان کی گردنوں کے ساتھ باندھا گیا، آخری باری میری تھی۔ میرے ہاتھوں کو بھی رسیوں سے باندھا گیا' سر پر تھیلی چڑھائی گئی اور تہہ خانے سے اوپر لا کر ان قیدی بھائیوں کے ساتھ بٹھایا گیا جنہیں مجھ سے پہلے لایا گیا تھا، قیدیوں میں پانچ افغان تھے جن کے نام میں نے پہلے ذکر کر دیے، دو عرب، اور ایک امریکی مسلمان تھا اور نواں میں تھا۔ یاد رہے کہ میرے اور ان کے یونیفارم میں فرق تھا، میرا یونیفارم خاکی اور ان کا آسمانی کلر کا تھا۔ کافی دیر تک ہمیں وہاں اس بند حالت میں بٹھایا گیا، سخت رسی سے باندھنے اور دَم گھٹنے کی شکایت کی وجہ سے ساتھیوں کی مسلسل چیخیں نکل رہی تھیں۔ کوئی قیدی پانی مانگ رہا تھا تو کوئی ہاتھوں کے درد کی شکایت کر رہا تھا' کوئی چیختا تھا کہ میرا دَم گھٹ رہا ہے لیکن انسانیت نام کی کوئی چیز نہ تھی جو ہماری آوازوں کو سنتے اور ہمیں درد وقید سے چھڑا کر پانی پلاتے اور سروں سے تھیلے ہٹا کر ہمیں سانس لینے دیا جاتا، خالی فوجیوں کی آوازیں اور نعرے تھے جو ہمیں انگریزی زبان میں لتاڑتے تھے اور کہتے تھے (Shut up and Stop Movement) (باتیں مت کرو اور ہلو مت) یہاں مسلسل ہیلی کاپٹروں کی

آوازیں تھیں۔ دو تین گھنٹے ہمیں یہاں رکھا گیا اور پھر ہیلی کاپٹروں کے اندر ڈال کر باندھا گیا۔ تقریباً 25 منٹ سفر کے بعد ہمیں ایک اور جگہ منتقل کیا گیا ہمیں ہیلی کاپٹر سے نیچے زمین پر گرایا گیا اور وہاں موجود فوجیوں نے ہمارے جسموں کے ساتھ فٹ بال کھیلنا شروع کر دیا۔

لاتیں اور گھونسے:

مختلف فوجی آتے رہے اور ہمیں لاتوں اور گھونسوں سے سخت مارتے رہے یہاں تک کہ فوجی اپنے بوٹوں سے ہماری انگلیاں زمین کے ساتھ روندتے رہے اور ہماری چیخیں بلند ہوتی رہیں' اسی اثناء میں ایک فوجی مجھے تلاش کرنے کے سلسلے میں میرے پاس آیا' میرے سر سے تھیلا اٹھایا اور پھر دوبارہ پہنا کر شناخت کے بعد چپ چاپ چلا گیا۔ میں نے اس وقت اپنے دوسرے قیدی بھائیوں کو دیکھا کہ وہ سخت تکلیف میں تھے۔ امریکی فوجی ان کے جسموں سے لاتوں اور گھونسوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اور ان کی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ یہاں ہم اتنے سخت عذاب میں تھے کہ وضو اور نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی اشارہ سے نماز پڑھ سکتے تھے، اس لیے کہ ہماری تھوڑی سی حرکت پر وہ ہم پر لاتوں کی بارش کرتے۔ ایک لمحہ کے لیے ہمیں چھوٹے پیشاب کے لیے اٹھایا گیا جس سے ہماری طبیعت قدرے سنبھل گئی، کئی بار ہیلی کاپٹر لینڈنگ کرتے رہے اور بار بار پرواز کرتے رہے، بلا آخر رات کے شروع ہوتے ہی ایک ہیلی کاپٹر ہمارے بہت قریب آیا اور ہمیں اس کے اندر ڈال دیا گیا۔

پل صراط اور حالت نزع:

ہیلی کاپٹر کی منتقلی پل صراط کا پل اور حالت نزع کے برابر ہوتا تھا اتنا سخت عذاب تھا کہ جسے میں آج بھی تصور نہیں کر سکتا۔ گوانتاناموبے میں ہمیں ہمیشہ اپنی منتقلی کی فکر ہوتی تھی کہ وہ خدانخواستہ دوسری جگہ منتقل کس طرح ہوگی۔

ہمیں ہیلی کاپٹر کے اندر ہاتھ پاؤں سے مضبوط باندھا گیا اس طرح کہ ڈبل پٹے ہمارے سینے اور رانوں کے اوپر لپیٹ کر جہاز کے دوسرے حصوں سے مضبوط باندھ دیا گیا

' ایسے میں نیم لیٹے اور نیم بیٹھے ہوتے تھے نہ صحیح طرح لیٹ سکتے تھے اور نہ ہی صحیح طرح بیٹھ سکتے تھے۔

بگرام ائیر پورٹ:

ریڑھ کی ہڈی میں شدید تکلیف ہو رہی تھی اور سانس گھٹ رہا تھا لیکن صبر کے سوا کوئی راستہ نہ تھا ہم ایک دوسرے کے ساتھ سہارا لینے لگ جاتے تو فوجی وحشی ہمیں بوٹ سے سخت مارتے، ساتھیوں کو پیشاب اور پیاس کے تقاضے کے باوجود اجازت نہیں ملتی تھی اور ترجمان بھی نہ تھا یا پھر وہ بھی فوجیوں کے ساتھ ملا ہوتا تھا راستے میں دو جگہ ہیلی کاپٹر اترا اور پھر اڑان بھری کافی دیر بعد ہیلی کاپٹر ایک جگہ اترا اور یہ بگرام ائیر پورٹ تھا۔

"امریکا عدل وانصاف کا گھر ہے":

مجھے فوجیوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ نیچے پکی زمین پر پھینکا، چند فوجی یہ نعرے لگا رہے تھے (This is the big one) یہ ان کا بڑا ہے، پھر انہوں نے مجھ پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش شروع کر دی' میں نے تو کلاشنکوف کے بٹ بھی محسوس کیے' میرے جسم سے کپڑے الگ ہو گئے خالی سر پر تھیلا اور ہاتھ پاؤں میں بیڑی لگی ہوئی تھی، تازہ تازہ برف باری ہو چکی تھی چند گھنٹوں کی مار پیٹ کے بعد انہوں نے مجھے ننگا برف پر پھینک دیا۔ فوجیوں کی موجودگی میں ایک خاتون مسلسل غزل پڑھ رہی تھی اور فوجی لوگ میرے جسم کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ غزلوں کا ایک ٹکڑا ابھی تک مجھے یاد ہے وہ گا رہی تھی:

"امریکا عدل وانصاف کا گھر ہے اور عدل وانصاف کا خواہاں ہے، ہر آدمی کے لیے انصاف چاہتا ہے۔"

(بشرطیکہ مسلمان نہ ہو کیونکہ مسلمان ان کے نزدیک انصاف کا کوئی استحقاق ہی نہیں رکھتا) اس وجہ سے وہ مسلمانوں کے ساتھ ایسا وحشی طریقہ روا رکھتے ہیں اور اس طرح کی غزل گاتے رہتے ہیں۔ ایسا وحشی طریقہ کہ جس کا نہ تو عدل وانصاف سے کوئی واسطہ ہے اور

نہ ہی کوئی دوسرا اسے عدل وانصاف کہہ سکتا ہے۔

برف پر شدید سردی تھی جسم بالکل شل ہو کر کانپتا تھا اور فوجی مسلسل چیختے تھے Stop Movement (حرکت مت کرو، مت ہلو) لیکن شدید سردی کی وجہ سے جسم کی لرزش اور کپکپاہٹ روکنا میرے بس میں نہ تھا آخر کار تین چار گھنٹے بعد شدید سردی کی وجہ سے میں بے ہوش ہو گیا اور پھر مجھے اپنا پتہ نہ چل سکا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک ایسے بڑے کمرے میں پڑا ہوا تھا جس میں دھوپ پڑتی تھی، تقریباً یہ دن کے نو دس بجے کا وقت تھا میرے جسم میں شدید درد تھا جو میرے لیے بالکل نا قابل برداشت تھا۔

اسامہ کہاں ہے؟

میں نے دیکھا کہ میرے سامنے دائیں جانب دو فوجی جو سر پر کالی تھیلی اوڑھے اور ہاتھوں میں ایک بڑا ڈنڈا لیے میری طرف مارنے کی غرض سے بڑھ رہے تھے اور بائیں جانب دو کالے ہاتھی نما دیو فوجی ہاتھوں میں پستول تھامے کھڑے تھے دوسرے فوجیوں کے پاس بندوقیں تھیں۔ (جمہوریت، انسان دوستی اور مہذب دنیا کے دعویداروں کا یہی طریقہ تفتیش ہے) میرے سر پر کھڑے سب ایک ہی بلند آواز میں یہ تین چیزیں پوچھتے تھے:

1- Where is Usama?

اسامہ کہاں ہے؟

2- Where is Mulla Omar?

ملا عمر کہاں ہے؟

3- What did you do in New York and Washington?

تو نے نیو یارک اور واشنگٹن کے بارے میں کیا کیا؟

ہر داڑھی والا افغان، طالبان:

(امریکی درندے ہر داڑھی والے افغان کو طالبان اور القاعدہ کا رکن خیال کرتے تھے،

جو بھی ان کے ہاں گرفتار ہو جاتا' ہر ایک سے یہی سوالات پوچھتے اور بار بار دہراتے۔ حالانکہ نائن الیون کے واقعہ میں ملوث ہونا تو دور کی بات ہے بعض ایسے قیدی بھی تھے جنہوں نے کبھی نیویارک کا نام بھی نہ سنا تھا اور نہ پینٹا گون کی تصویر دیکھی تھی لیکن امریکی ان سے بھی پوچھ گچھ کرتے تھے)

یہ لوگ جب مسلسل چیخے اور پھر انہیں معلوم ہوا کہ میرے اندر بولنے اور حرکت کرنے کی طاقت نہیں تو انہوں نے کچھ وقت کے لیے مجھے چھوڑ دیا اور پھر آسمانی کلر کا یونیفارم پہنا کر مجھے ایک ٹھنڈے گڑھے میں پھینکا گیا' شدید تکلیف اور سردی کی وجہ سے میں پھر بے ہوش ہو گیا' جب دوبارہ ہوش آیا تو میں ایک لحاف کے اندر لپیٹا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے سر لحاف سے اس حال میں نکالا کہ میرے ہاتھ اور پاؤں زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے۔

چوبیس گھنٹے کچھ نہ کھایا:

میں سوچتا رہا کہ یہی کیوبا کا جیل خانہ گوانتانا موبے ہوگا لیکن پھر نظر دوڑانے کے بعد میں نے وہاں دیواروں پر طالبان کی پرانی تحریریں بمع تاریخ دیکھیں تو مجھے پتہ چلا کہ یہ تو کیوبا نہیں بلکہ افغانستان ہی ہے (جس کا کبھی میں سفیر تھا) یہ ایک چھوٹا سا ٹوٹا پھوٹا کمرہ تھا۔ گیٹ پر ایک امریکن خاتون فوجی بیٹھی تھی جو میرے پاس آئی اور پوچھا کہ آپ کو کیا چاہیے؟ لیکن مجھ میں تو زبان ہلانے کی سکت نہ تھی وہ بار بار پوچھتی کہ آپ کو انگلش آتی ہے؟ آخر جواب نہ ملنے پر وہ بھی واپس جا کر اپنی جگہ بیٹھ گئی' یہ عصر کا ٹائم تھا، پورے دن کی نمازیں قضا ہو گئی تھیں اور میرے اندازے کے مطابق اب تک 24 گھنٹے گزر چکے تھے کہ میں نے نہ کچھ کھایا نہ ہی کچھ پیا تھا۔

مظلوم کی دُعا:

جسم کی ساری ہڈیوں میں شدید درد تھا۔ میرے سر اور کندھوں کو فوجیوں نے تشدد کر کے

توڑ دیا تھا' میرا چہرہ خون سے سرخ تھا اور میں بڑا پریشان تھا کہ اور مزید کیا ہوگا؟ اور میں اس طرح کی دعائیں بہت کرتا تھا کہ یا اللہ! آپ مجھ سے راضی ہو جایئے، دوسرے مسلمان بھائیوں کو اس قسم کی تکالیف سے بچایئے، کسی بھی مسلمان کو ہماری طرح ذلت کے امتحان میں مت ڈالیے، خصوصاً علماء کرام کو اس آزمائش سے محفوظ فرمایئے، اس لیے کہ ان کی بے عزتی تمام مسلمانوں کی بے عزتی ہے۔ اے رب! تو اپنی رحمت سے افغانستان کے مظلوم عوام کی مدد فرما اور ان کی حفاظت فرما۔

سخت اور مشکل وقت میں میرے منہ سے یہی الفاظ نکلتے تھے، اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائیں۔ رات آ پہنچی، جنریٹر اسٹارٹ ہوا اور کمرے کے اندر ایک بلب روشن ہوا۔ میری زبان میں تھوڑی سی حرکت پیدا ہوئی اور میں نے فوجی خاتون سے دھیمی اور پست آواز میں کہا (Can you help me) (کیا آپ میری مدد کر سکتی ہیں؟) اس نے پوچھا کس چیز کی ضرورت ہے؟ میں نے نماز پڑھنے کی اجازت مانگی تو اس نے اجازت دیدی اور میں نے زنجیر میں بند ہاتھوں سے تیمم کر کے نماز پڑھنی شروع کر دی، اسی اثناء میں دو اور آدمی آئے اور کونے میں چھپ کر بیٹھ گئے' میں بہت ڈر رہا تھا کہ نماز میں ہی مجھے روک نہ دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے خیر کا معاملہ کیا اور میں نے نماز پڑھ لی۔

بگرام میں تفتیش کا مرحلہ:

نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ دو آدمی جو بیٹھے تھے۔ ایک فوجی وردی میں جبکہ دوسرا ملکی سول لباس میں تھا۔ اس نے مجھ سے فارسی زبان میں پوچھا کہ کیا حال ہے؟ اس کا لب ولہجہ ایرانی فارسی کی طرف مائل تھا اور اس کا نام فرید تھا جو کہ اصلاً امریکی تھا اور ایران میں اس کی پرورش ہوئی تھی جبکہ دوسرا ایک موٹا کالا امریکی تھا۔

ان دو آدمیوں نے مجھ سے پوچھا "آپ کی صحت کیسی ہے؟ سردی تو نہیں لگ رہی؟"

میں صرف الحمد للہ! کہتا تھا، گزرے واقعات وعذاب کا میں ان کے سامنے تذکرہ نہیں کرتا تھا اس لیے کہ میرے خون آلود چہرے سے سب کچھ عیاں تھا۔ اس کے بعد انہوں نے سوالات پوچھنا شروع کیے پورے سوالات کا محور صرف ایک ہی ہوتا تھا کہ اُسامہ اور ملا عمر کہاں ہیں؟ میں جس طرح ان کی زندگی اور موت سے بے خبر تھا تو جوابات عموماً نفی میں تھے اس پر ان کے چہروں کے رنگ بدلتے رہے اور آہستہ آہستہ ان کا لہجہ سخت ہوتا رہا ان کی باتوں میں دھمکی کا پہلو صاف اور واضح تھا لیکن میرے پاس وہی منفی جواب تھا اور ان کے سخت رویے نے مجھ پر کوئی اثر نہیں کیا۔

چھ دن بعد کھانا کھایا:

چھ دن گزر گئے تھے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا تھا اس لیے کہ ایک سال پرانا پیک شدہ فوجی کھانا یا تو میں کھا نہیں سکتا تھا یا پھر مجھے ان کے حلال وحرام کا پتہ نہیں چلتا تھا، چھ دن گزرنے کے بعد مجھے آدھی روٹی اور ایک کپ چائے تفتیش کار کی طرف سے ملی، اس کے بعد تقریباً ایک روٹی روزانہ مجھے دیتے تھے۔ ایک مہینے سے میں یہاں تھا اور یہاں موجود فوجیوں کو یہ حکم تھا کہ مجھے سونے نہ دیا جائے، بیس دن تک میں یہاں بے سروسامانی کے عالم میں ہاتھ پاؤں بند قید میں تھا، میرے ہاتھ پاؤں کھانے کے لیے اور نہ ہی کسی دوسری ضرورت کے لیے کھلتے تھے، اس کے بعد ایرانی تفتیش کار کے ذریعے مجھے ایک چھوٹا سا پیکٹ سائز قرآن مجید ملا تو اب میں اس کی تلاوت میں مصروف رہتا تھا لیکن شدید سردی تھی اور بعض اوقات تو میں اپنے اوپر اوڑھنی کو بھی سیدھا نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ سردی کے مارے میرے ہاتھ کی انگلیاں شل ہو جاتی تھیں۔

ہاں میں ضعیف ہوں:

ایک دن صبح سویرے 24 یا 25 جنوری 2002ء کو آٹھ نو بجے کے قریب تقریباً چھ آدمی میرے کمرے میں لائے گئے جن کے سروں پر تھیلیاں چڑھی ہوئی تھیں اور انہیں کمرے

کے کونے میں بٹھادیا گیا ان کے ساتھ عربی زبان کے ترجمان بھی تھے اور ترجمانوں کے ذریعے انہیں بار بار کہا جاتا تھا کہ چپ ہوکر بیٹھ جاؤ اور بالکل خاموش رہو، باتیں بالکل نہ کرنا، ایک دو مسلح فوجی دروازے کے پیچھے بیٹھ گئے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد آپس میں باتیں شروع ہوگئیں اور ان کے بار بار منع کرنے کے باوجود ہماری باتوں میں تیزی آتی رہی اور فوجی بھی خاموش بیٹھے رہے۔

بالآخر عربی ترجمان آیا اور بہت کوشش کے باوجود وہ ہمیں خاموش کرانے میں ناکام رہا ایک عرب بھائی نے مجھ سے پوچھا: ''آپ ضعیف تو نہیں؟'' میں نے کہا ہاں میں ضعیف ہوں پھر ان چھ بھائیوں نے مجھ سے باتیں کیں اور تسلی دیتے تھے، انہوں نے مجھ سے اپنا تعارف کروایا ان چھ کے نام یہ ہیں: سالم سقر، سلمان یمنی، شیخ فیض کویتی، شمیر الجزائری، طارق (جو کہ اصلاً جزائر کے تھے لیکن لندن کی نیشنلٹی تھی) محمد قاسم حلیمی افغانی۔ ہمیں یہاں کسی سے چھپایا گیا تھا اور ہم یہ سمجھ گئے تھے اس لیے ہم بلند آواز سے بولتے تھے کہ یہ ہمارے پیچھے دروازے کیوں بند ہے؟ ہم سب کو ایک ساتھ تنگ جگہ پر کیوں رکھا جا رہا ہے؟ وہ جواباً کہتے تھے کہ دروازہ اس لیے بند رکھا ہے کہ یہاں کچھ لوگ آتے رہتے ہیں اگر انہیں تمہارا پتہ چل گیا تو تمہیں قتل کر دیں گے لیکن ہم سمجھ گئے تھے کہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے بلکہ بات کوئی اور ہے۔ عصر تک یہ لوگ میرے ساتھ رہے پھر ان کو وہاں سے لے جایا گیا۔ میری گرفتاری کے بعد یہ دن میرے لیے سب سے اچھا تھا، صبح پھر یہ لوگ میرے کمرے میں لائے گئے اور میں ایک بار پھر خوش ہوا۔ اس لیے کہ یہ لوگ اور قیدیوں کے ساتھ تھے میں نے ان سے پوچھا کہ گزشتہ دن کیا ماجرا تھا تو انہوں نے کہا کہ اس دن ہلال احمر کا نمائندہ آیا تھا اور وہ قیدیوں سے خطوط وصول کر رہا تھا تا کہ انہیں ان کے عزیز و اقارب تک پہنچائے اور ہمیں ان سے چھپانے کے لیے یہاں لایا گیا تھا اور آج پھر وہ آ رہے ہیں اس لیے وہ دوبارہ ہمیں یہاں چھپانے کے لیے لے آئے۔

ارضِ جہاد کی مقدس مٹی:

عصر کے وقت پھر انہیں یہاں سے نکال کر دوسری جگہ لے جایا گیا اور میں اپنے خراب دیواروں والے کمرے کے اندر اکیلا رہ گیا ان دنوں ہمیں بہت زیادہ کھانا ملتا رہا اور یہ پہلی بار تھا کہ میں خوب سیر ہوا۔ اس دفعہ میں نے حلیمی صاحب کو بھی پہچانا۔ دو دن بعد مجھے نیچے کمرے میں لے جایا گیا اور وہاں حلیمی صاحب اور سالم ستر بھی موجود تھے، سالم بھائی کا وہ قصہ ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے جو وہ سنا رہا تھا' وہ کہہ رہا تھا کہ میری ایک چھوٹی معصوم بچی تھی جو تازہ تازہ بولنا سیکھ رہی تھی، چیختی تھی کہ (ابی سرد) ابو جی سردی ہے، اور اس کی والدہ روتی رہی اور بددعائیں دیتی رہی اس لیے کہ قندھار میں ہمارے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ اوپر سے مسلسل بمباری جاری تھی میں اور بچی کی والدہ بے بس تھے اور بچی کی بار بار سردی کی شکایت اور رونے پر ہم بھی اس کے ساتھ رو رہے تھے یہاں سے منتقلی کے وقت کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، قندھار شہر پر ابھی قبضہ نہیں ہوا تھا کہ میں نے اپنے بچوں کو دیگر عرب خواتین کے ہمراہ چمن پہنچایا۔ عرب خواتین افغان سرزمین کی مٹی اپنے دوپٹوں کے ساتھ باندھ کر چل رہی تھیں میں نے ان سے افغان مٹی ساتھ لے جانے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ افغانستان شہداء اور غازیوں کا ملک ہے اور ہمیں اس کا دیدار پھر کبھی نصیب نہ ہوگا اس کی کچھ نشانی ہم ساتھ لے کر چلتے ہیں یہ وہ واحد سرزمین ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ ہوئے لیکن یہ خواتین ان بچوں کے اگلے حالات سے بے خبر تھیں کہ پاکستان ان کے ساتھ کیا کرنے والا ہے؟

دوسری جگہ منتقلی

تین دن سے ہم تینوں بھائی یہاں ساتھ تھے اور آخری دن ہمیں ایک اور جگہ منتقل کیا گیا رات ہوگئی تھی حلیمی صاحب کو تحقیق کے لیے لے گئے اور ہم نے عشاء کی نماز پڑھی اس کے بعد فوجی آئے اور ہمیں نیچے کمرے میں لے گئے وہاں دوسرے بھائیوں کے ہاتھ پیر باندھتے ہم نے دیکھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ ان کو دوسری جگہ منتقل کیا جا رہا ہے، تقریباً بیس

کے قریب قیدی یہاں موجود تھے، جن کے ہاتھ پاؤں اور سر مضبوط باندھے گئے تھے جو کہ کسی اور جگہ منتقلی کی علامت تھی۔

قندھار منتقلی:

بڑی تیزی کے ساتھ فوجیوں نے میرے ہاتھ پاؤں باندھے اور سر پر وہی کالا تھیلا پہنایا اور پھر میرا سر دوسرے قیدی کے شانے پر ٹکائے رکھا اور اسی طرح میرے شانے پر ایک اور قیدی کا سر لگایا ایک گھنٹہ تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا اس کے بعد ہم سب کو کھڑا کیا گیا اور اونٹوں کی طرح ایک لائن میں کھڑا کر کے ہمارے ہاتھوں کو ایک پتلی سی تیز دھار رسی سے باندھا گیا۔ فوجی یہ رسی دائیں بائیں کھینچتے تو اور قیدیوں کی چیخیں درد و تکلیف کے مارے آسمان سے باتیں کرتیں، اس لیے کہ رسی ان کے بار بار مختلف سمتوں میں کھینچنے سے ہاتھوں کے اندر گھس جاتی تھی اور درد و تکلیف میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ ہماری اس لائن میں ایک قیدی نافع جو کہ سوڈان کے تھے اور ان کے دونوں پاؤں پہلے سے شدید زخمی تھے، وہ غریب مظلوم بہت چیختا تھا۔

کمانڈر دوستم کے ہولناک مظالم:

تاجکستان کے محمد یوسف اور یمن کے مختار میرے پڑوس میں قید تھے، ان کو قلعہ جنگی سے زندہ گرفتار کیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی بپتا سنائی کہ کس طرح وہ گرفتار ہوئے اور دوستم کے وحشی فوجیوں کے مظالم کا شکار بنے۔ وہ کہتے تھے کہ دوستم اور ان کے ساتھی طالبان مجاہدین کو گولی نہ مارتے بلکہ کھلے میدان میں کھڑا کر کے ننگا کر دیتے، کانوں میں لکڑی کے ٹکڑے ٹھونس دیتے اور پتھر مار مار کر مار دیتے تھے۔ طالبان کو ننگا کر کے پہلے میدان میں پھرایا جاتا۔ پھر ہاتھ پاؤں باندھ کر کنٹینر میں بند کر دیا جاتا اور تالا لگا کر کنٹینر کے نیچے آگ جلا دی جاتی۔ اس طریقے سے دوستم نے پانچ سے آٹھ ہزار تک طالبان کو جان سے مارا۔ محمد یوسف نے بتایا کہ میرے ناخن پلاس کے ذریعے نوچے گئے۔ وہ باقاعدہ پاسپورٹ لے کر افغانستان گیا تھا اور قندوز میں مزدوری کیا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ایک کنٹینر میں 300 طالبان

کوٹھونس ٹھونس کر بند کیا جاتا، کنٹینر کے باہر جو آوازیں سنائی دیتیں تو لگتا کہ وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ان میں سے کوئی کہتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آ رہے ہیں، کوئی کہتا ہم جنت جا رہے ہیں۔یوسف نے کہا کہ مجھے بھی تین دن تک کنٹینر میں بند رکھا گیا۔تین دن بعد جب کنٹینر کھولا گیا تو اس میں صرف چند افراد ہی زندہ بچے تھے جن میں سے ایک میں بھی تھا۔

جھوٹ معلوم کرنے کی مشین:

ایک بار مجھے تفتیش کے لیے لے جا کر کمرے میں سفید کرسی پر بٹھایا گیا اور خلاف معمول ہاتھ پاؤں کھولے گئے۔ایک چمکیلی آنکھوں والے چالاک امریکی نے ایک سفید ریش فارسی بولنے والے ترجمان کے ذریعے بتایا کہ یہ مشین جھوٹ معلوم کرتی ہے اس کو Lie Detector Machine کہتے ہیں۔یہ مشین آپ کے سچ اور جھوٹ کا پتہ لگائے گی، پھر مجھے اس مشین پر بٹھایا گیا۔میں نے کہا کہ یہ مشین پہلے کہاں تھی؟ آپ نے مجھے ساڑھے تین سال عذاب سے دوچار رکھا۔اگر یہ مشین پہلے استعمال ہو جاتی تو آپ کو سچ جھوٹ کا پتہ چل جاتا۔اس نے پہلا سوال پوچھا:

آپ کو کون بہتر جانتا ہے؟

میں نے جواب دیا کہ میرا خالق۔

پھر پوچھا اس کے بعد؟

میں نے کہا کوئی دوسرا میرے دل کا حال نہیں جانتا۔

اس نے کہا کہ میں جان گیا ہوں۔مشین ایسی تھی کہ دل کی دھڑکنوں اور فشار خون کے ذریعے سکرین پر گراف کی طرز پر کچھ دکھاتی اور جب کوئی جھوٹ بولتا تھا تو ظاہر ہے کہ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی، پھر یہ امریکی اس پر شک کرتے۔جب میں نے کہا کہ مجھے کوئی اور نہیں صرف میرا خدا بہتر جانتا ہے تو وہ کہتا کہ ہم خدا سے بہتر تمہیں جانتے ہیں۔میں نے کہا کہ کہیں خدائی کا دعویٰ نہ کر بیٹھو۔اس نے پوچھا کہ کبھی خدا کی نافرمانی کی ہے یا نہیں؟

میں نے کہاہاں کی ہے۔

اس مشین کے سامنے کوئی حوصلے سے بات کرتا تو کامیاب ہو جاتا۔کوئی گھبرا کر سچ بھی بولتا تو امریکی سکرین دیکھ کر اس پر شک کرتے۔

عرب بھائی کو ذبح کر دیا گیا:

فوجی برابر دھمکاتے رہتے تھے اور چیخیں نکالنے سے منع کرتے تھے لیکن زیادہ سختی اور عذاب کی وجہ سے چیخیں نہیں رکتی تھیں ہمارے ساتھ لائن میں ایک بھائی امین اللہ کے نام سے بھی تھے جو "توبی" کے رہنے والے تھے اور اس وقت چمن میں رہ رہے تھے نے مجھے بعد میں قندھار میں بتایا کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہمیں ذبح کرنے کے لئے لے جایا جارہا ہے اور خصوصاً اس وقت تو مجھے بالکل ذبح ہونے کا یقین ہو گیا کہ جب ایک زخمی عرب بھائی کی آوازیں اور خراٹے بلند ہونے لگے اور یوں لگ رہا تھا کہ اس کو ذبح کیا جارہا ہے اور یہ آوازیں ذبح ہونے کے وقت کی ہیں، امین اللہ بھائی کہہ رہے تھے کہ شدید درد کی وجہ سے عرب بھائی کی یہ اٹھتی ہوئی بلند آوازیں سن کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ عرب بھائی کو ذبح کر دیا گیا اور اب ہماری باری ہے۔میں نے کلمۂ شہادت کا ورد شروع کر دیا تھا، میں نے بھی کئی بھائیوں سے سنا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہے ہیں اور تسلی پر مبنی قرآنی آیات کی تلاوت کر رہے ہیں۔اسی طرح ہمیں ایک بنجر و ویران زمین پر چلایا جارہا تھا اور کبھی کبھی تو ہم گڑھوں میں گر جاتے تھے۔یوں رفتہ رفتہ ہم ایک آواز کے قریب ہوتے رہے اور قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں ایک بڑا ہیلی کاپٹر کھڑا ہے اور ہیلی کاپٹر کے زیادہ شور کی وجہ سے میں دوسرے بھائیوں کی چیخ و پکار کو بھی نہیں سن سکتا تھا۔

یہاں پہنچ کر ہمیں ایک دوسرے کے اوپر یوں پھینکا گیا جس طرح بڑا گھر منتقل کر کے سامان ایک دوسرے پر پھینکا جارہا ہو۔اس کے بعد ہمیں ہیلی کاپٹر کے اندر ایک ایک کر کے چڑھایا گیا اور وہاں پر موجود ایک بنچ سے باندھا گیا ایک پٹہ ہمارے سینے اور سر پر بھی کھینچا

گیا اور بڑا سخت دردناک عالم تھا۔ ہم چیختے رہے اور اس کا جواب امریکی وحشی فوجی بوٹوں اور گھونسوں سے دیتے لیکن پھر بھی منزل قریب تھی اور تقریباً ایک گھنٹے بعد ہیلی کاپٹر اتر گیا۔ لوگ آگے کو زور لگا رہے تھے لیکن کمر کے درد کی وجہ سے شدید تکلیف میں رہتے۔

ہم سے فٹ بال کھیلتے تھے:

8 یا 9 فروری 2002ء کو ہیلی کاپٹر اترا اور ہم میں سے ایک ایک کو نکالنا شروع کر دیا جب میری باری آئی تو مجھے باہر کی طرف کھینچا گیا میرے کپڑے پھٹ گئے، اور مجھے ایک گندے پانی سے آلودہ کیچڑ کے گڑھے میں پھینکا گیا جہاں شدید سردی تھی، اسی طرح دوسرے بھائیوں کو بھی یہاں پھینکا گیا تھا اور یہاں بہت شدید سردی تھی، امریکی وحشی فوجی کبھی تو ہمیں لاتوں اور گھونسوں سے بے دردی کے ساتھ مارتے اور کبھی ہم سے فٹ بال کھیلتے اور کبھی ہمارے اوپر بیٹھ کر گاتے تھے اس حال میں کہ ہم سب کے ہاتھ پیر رسیوں سے بندھے ہوئے تھے اور ہمارے سروں پر کالے تھیلے پہنائے گئے تھے اور دم گھٹنے کی وجہ سے ہمیں کبھی شدید سردی کم محسوس ہوتی تھی، مجھے ہیلی کاپٹر سے نکالتے وقت ان امریکیوں نے گنوں کے بٹ پسلیوں اور رانوں پر کئی طریقے سے مارے۔ چار پانچ امریکی فوجی اس کے علاوہ میرے اوپر بیک وقت بیٹھے ہوتے تھے، ہمارے کپڑوں کو چاقوؤں کے ذریعے پھاڑ دیا گیا تھا اور ہمارے سروں اور ٹانگوں کو وہ وحشی اتنا روندتے تھے کہ مجھے بھی یقین ہو گیا کہ اب ہمیں یہ وحشی لوگ ذبح کریں گے اور حقیقت تو یہ تھی کہ اتنے شدید اور سخت عذاب کے بدلے ہم لوگ ذبح ہونے کو ترجیح دیتے تھے، اس لیے کہ کوئی بھی انسان اتنی وحشت ناک ذلت اور طرح طرح کا عذاب برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد مجھے ننگا اٹھایا گیا اور اتنا مجھے روندا کہ اتنا شیر بھی مینڈھے کو شکار کر کے نہیں روند سکتا۔

برہنہ تصویریں لی جا رہی تھیں:

تحقیق شروع ہوئی ہر طرف کیمرے آن تھے اور برہنہ انسانی قیدیوں کی تصاویر لی جا

رہی تھیں۔ ہر طرف سے کیمروں کی لائٹیں لگ رہی تھیں۔ ننگے قیدیوں کی تصویر کشی اور ان سے تحقیقات امریکیوں کے لیے بڑا تماشا تھا' میرے سر سے اچانک تھیلا اٹھایا گیا، اُف اللہ! کیا وحشت ناک منظر تھا کہ ہم تمام بھائیوں کو ننگا کر کے عذاب دیا جا رہا تھا۔ کوئی کہاں پڑا ہوا' کوئی کہاں روندا ہوا' الٹا ننگا پڑا ہوا تھا...... اتنا وحشت ناک اور توہین آمیز منظر تھا کہ جسے یہاں میری زبان تعبیر کرنے سے عاجز ہے، ننگے مسلمان انسانوں کا (مادر پدر آزاد امریکی فوجی) مرد اور عورتیں تماشہ دیکھ رہے تھے۔

ایک میٹر اونچا کمرہ:

ایک بڑا خیمہ تھا جس میں ڈاکٹر موجود تھے، تصویر کشی اور تحقیق کا مرحلہ ختم ہوا تو ڈاکٹروں نے طبی معائنہ کرنا تھا۔ اس کے بعد مجھے دوبارہ یونیفارم پہنایا گیا اور کھینچتے بھگاتے مجھے ایک جگہ لے گئے اور وہاں پر الٹا منہ کے بل پھینکا میرے ہاتھ اور پیر کھول دیئے اور تھیلا میرے سر سے ہٹا دیا گیا، فوجی میرے سر اور پاؤں پر بیٹھے ہوئے تھے، اس کے بعد مجھے اٹھنے کا حکم دیا اور میں گرد و غبار میں لپٹا ہوا تھا تو دیکھا کہ ایک بڑا کمرہ تھا جس کی چاروں دیواریں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں اور زمین سے تقریباً ایک میٹر اونچا یہ کمرہ مستطیل تھا اور دو میٹر کے فاصلے پر خاردار تار سے اسے ڈھانپا گیا تھا اس میں تقریباً بیس آدمیوں کی گنجائش تھی اور اس کی چھت پر ترپال بچھا ہوا تھا، آنکھیں خوب کھولنے کے بعد میں نے دیکھا کہ یہاں پر اس طرح کے کئی کمرے ہیں جو دیگر قیدی بھائیوں سے بھرے ہوئے تھے، ڈیوٹی پر مامور فوجی نے مجھے اشارہ سے وہ سامان بتایا جو کمرے کے اندر ہر قیدی کے لیے ہوتا تھا۔

اس میں ایک چادر، دو ہلکے کمزور بستر، ایک پائجامہ، ایک جوڑا جراب، ایک جوڑا بوٹ اور ایک کیپ۔ میں نے جراب اور پائجامہ پہن لیا اور دونوں بستروں کے اندر لپٹ گیا اس لیے کہ شدید سردی تھی اور مجھ سے پیچھے رہنے والے بھائیوں کو بھی اسی طرح مراحل سے گزار کر یہاں لایا گیا، تقریباً صبح سے ایک گھنٹہ قبل ملا محمد صادق کو بھی یہاں لایا گیا وہ صوبہ

ارزگان کے بلاغ گاؤں کا باشندہ تھا اور اس وقت چمن میں رہ رہا تھا، سابقہ سوویت یونین جہاد میں وہ جہادی کمانڈر اور اس وقت ہمارا امیر تھا، اس وقت اس کو شدید سردی لگ رہی تھی اور وہ کانپ رہا تھا۔ میں نے اس کو کپڑے تیار کر کے دیے اور پہننے میں مدد دینا چاہی تو اس نے منع کیا اور کہا کہ آپ مجھے مت دیکھیں میں خود تبدیل کرلوں گا۔

اذان کی آواز بلند ہوئی:

اس نے آس پاس سوئے ہوئے قیدی دیکھے جو بستروں میں لیٹے ہوئے تھے اور انتہائی پریشان ہوئے اور حیران ہو کر مجھ سے کہا کہ کتنی لاشیں پڑی ہیں وہ ان سوئے ہوئے قیدیوں کو مردہ سمجھ رہے تھے۔ میں نے کہا کہ نہیں یہ تو سوئے ہوئے ہیں تھوڑی دیر بعد کمروں سے باآواز بلند اذانیں شروع ہوئیں، ملا صادق بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ابھی تو ہم دارالاسلام میں آگئے ہیں۔

لیکن امان اللہ بھائی نے یہاں پر کہا کہ یہ کیسی وحشی زندگی ہے کاش کہ ہم مر چکے ہوتے، اس لیے کہ یہ وحشت تو کبھی بھولنے کے قابل نہیں۔ سراسر انسانیت کی ذلت اور رسوائی ہے لیکن میں ساتھیوں سے کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بھی بدتر ذلت اور رسوائی سے بچائے۔

قندھار میں تحقیق کا مرحلہ:

صبح ہوئی اور ہم نے نماز پڑھی اس کے بعد ہم نے آرام کرنا چاہا لیکن آرام کے لیے ہمیں نہیں چھوڑا گیا اور تحقیق کا مرحلہ شروع ہوا، پہلے عرب بھائیوں کو لے جایا گیا۔ اگرچہ مجھے اس تحقیق کے لیے نہ لے جایا گیا تحقیق کا طریقہ کار بڑا سخت اور تحقیر آمیز ہوا کرتا تھا۔ کمرے کے ایک طرف قیدیوں کو گھٹنوں کے بل کھڑا کر کے بڑی ذلت سے فوجی انہیں کمرے سے باہر کھینچتے تھے اور دوسری جگہ منتقل کرتے تھے جہاں ان سے تحقیق ہوتی تھی اور متعصب فوجی بڑی سختی سے پیش آتے تھے، قیدیوں کے سروں کو تھیلے سے ڈھانپا جاتا تھا اور

زمین پر انہیں بے دردی کے ساتھ گھسیٹا جاتا تھا، کئی مرتبہ میرے گھٹنوں کا گوشت زمین پر کھینچنے کی وجہ سے زمین پر رہ جاتا تھا کبھی ہمارے سروں کو دیواروں سے ٹکرایا جاتا تھا جبکہ ہماری حالت یہ ہوتی تھی کہ آنکھیں بند ہونے کی وجہ سے ہمیں کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

توہین آمیز مراعات:

صبح کو ہلالِ احمر کے نمائندے ہمارے پاس آئے اور انہوں نے ہماری بائیوگرافی یا شناخت اپنے پاس رجسٹر میں لکھی۔ ہمیں خط و کتابت کے لیے سفید فارم دیے لیکن ہم بڑی احتیاط اور شک کی نگاہ سے ان سے باتیں کرتے تھے اس لیے کہ ہمیں کافی ڈر تھا کہ شاید یہ بھی امریکی ایجنسی کے لوگ ہیں وہ لوگ ہماری حالت دریافت کرتے تھے۔ وہ ہلالِ احمر کے لوگ اچھے تھے، گھر والوں کے ساتھ خطوط کے ذریعے رابطہ میں بڑا کردار ادا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ طرح طرح کے وعدے کرتے تھے کہ وہ امریکیوں سے تمہارے لیے مراعات منظور کرائیں گے اور اس کے لیے انہوں نے ہمیں مطلوب اشیاء کے کارڈ بھی جاری کیے جس میں روٹی، دوائی، پانی، کتابیں اور زندگی کی دیگر اہم ضروریات درج تھیں۔ جب تک میں قندھار میں تھا آخر میں انہوں نے چند کہانیوں کی کتابیں، شطرنج اور تین مہینے میں ایک مرتبہ سب کے سامنے ننگا غسل کرنے کی توہین آمیز مراعات دیں۔ ہم بہت ہی زیادہ مذہبی کتابوں، پانی اور انسانی حقوق کی پاسداری چاہتے تھے لیکن ہماری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوئی۔

چھ ماہ تک ہاتھ منہ دھونے نہیں دیا گیا:

دس فروری 2002ء سے جولائی کی ابتداء تک میں قندھار میں تھا۔ اس عرصہ میں مجھے ہاتھ منہ دھونے نہیں دیا گیا اور اگر کبھی دھونے کی ہم کوشش بھی کرتے تو امریکی سخت سزا دیتے تھے اس وجہ سے ڈر کے مارے ہم ہاتھ منہ نہیں دھوتے تھے، ایک مرتبہ ہمیں سات سات قیدیوں کو باندھا گیا اور اس جگہ سے چند میٹر کے فاصلے پر بالکل ننگا کر کے کھڑا کیا گیا اور امریکی مرد اور خواتین ہمارے آگے پیچھے کھڑے ہوئے اور ہمیں توہین آمیز غسل کرنے کے

لیے ایک عدد صابن اور ایک کوزہ پانی دیا گیا، بڑا عجیب خوفناک منظر تھا ہم سب ننگے تھے میں نے ساتھیوں سے باآواز بلند کہا کہ بھائیو! ہم اس پر مکلف نہیں ہیں اس لیے آپ لوگ غسل کریں اور آنکھیں یا تو بند رکھیں یا پھر نیچے رکھیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں لیکن یہ کہاں تک ہوسکتا تھا یہ پہلا غسل تھا جو قندھار کے ایئر پورٹ پر ہمیں ایک دوسرے کے سامنے ننگا کھڑا کر کے کرایا گیا۔اس کے بعد اور پہلے نہ تو ہم نے ہاتھ دھوئے اور نہ ہی چہرے پر پانی مارا۔

تحقیق کا دوسرا مرحلہ:

دوسرے دن دوبارہ تحقیق کے لیے مجھے لے جایا گیا اور میری بائیوگرافی یعنی شناخت لی گئی۔اس بار تحقیق کا طریقہ کار بالکل مختلف ہو گیا تھا اور تفتیش کاروں کا رویہ نرم اور دھمکی و تشدد سے خالی تھا لیکن ان کی باتیں گزشتہ کل کی باتوں سے مختلف نہ تھیں، تفتیش کار میم کے پیچھے دروازے کے قریب ترجمان اور دروازے کے بیچ مسلح سیکیورٹی کے اہلکار کھڑے تھے۔ملا عمر اور اسامہ کے متعلق پوچھتے رہے اور میز پر پڑے سرخ رنگ کے کاغذات پر لکھتے رہے سرخ رنگ کے کاغذ پر نوٹ کرنا میری سمجھ میں نہیں آیا، معمول کے مطابق کارروائی پہلے سرخ کاغذ پھر پیلے کاغذ اور آخری مرتبہ سفید کاغذ پر قلمبند کیا کرتے تھے۔اس کے بعد فوجیوں نے میرا سر ڈھانپا اور پرانی جگہ واپس لے گئے تفتیش کے لیے لانے اور لے جانے کا یہ اذیت ناک سلسلہ کافی دنوں تک جاری رہا۔

آدھی رات کو چھاپہ:

قندھار کا قید خانہ نسبتاً آسان تھا اور سختی زیادہ نہ تھی مثلاً ہر خیمے میں بیس قیدیوں کی گنجائش ہوا کرتی تھی اور ہم دس سے بیس افراد تک ایک خیمے میں رہتے تھے۔سردی کا موسم تھا، دھوپ میں بیٹھنے کی اجازت ہوتی تھی اور آپس میں باتیں بھی کر سکتے تھے، نماز با جماعت پڑھتے تھے اور اس کی یہاں اجازت تھی البتہ تین آدمیوں سے زیادہ کو بات چیت کے لیے آزاد نہیں چھوڑتے تھے۔ہم تین قیدی بیٹھ کر باتیں کر سکتے تھے اور جب تین سے زیادہ ایک

جگہ جمع ہو جاتے تھے تو سخت سزا دیتے تھے البتہ یہاں بھی روزانہ آدھی رات کو اچانک امریکی فوجی کتوں سمیت چھاپہ مارتے تھے اور جیل میں موجود تقریباً چھ سو (600) قیدیوں کو سخت تکلیف سے دوچار کرتے تھے، گدھوں کی طرح چیختے تھے اور قیدیوں کو الٹا لٹا کر کتوں کو اوپر چھوڑتے تھے اور یہاں یہ روز کا معمول تھا ہر رات کو نیند خراب کر دی جاتی تھی۔

قندھار میں روٹی کا نظام:

یہاں کھانے کا فوجی نظام ہوا کرتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکا نے فوجیوں کے لیے ایمرجنسی اور مشکل حالات میں کھانوں کے مختلف ڈبے پیک کیے ہوئے تھے اور وہ اکثر اس وقت ایکسپائر (زائد المیعاد) ہو چکے ہوتے تھے۔ اس میں سبزی اور خنزیر کا گوشت بھی ہوا کرتا تھا بہت سے بھائی تو انگلش نہیں سمجھتے تھے اس وجہ سے وہ کھا لیتے تھے، انتہائی گندی خوراک تھی جون کے مہینے میں اس خوراک کی نوعیت بدل گئی اور اس کے پیک ڈبوں پر کوشر (Kosher) لکھا ہوتا تھا جو مسلمانوں کے لیے یہودیوں کا ذبح ہوا کرتا ہے اور مسلمان اسے کھاتے بھی ہیں یا پھر اس پر حلال لکھا ہوتا تھا وہ تو خالص مسلمانوں کا ذبح ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک افغانی روٹی کا بھی اضافہ کیا گیا جس سے خوب سیر ہوتے تھے۔

کھانا تقسیم کرنے کا طریقہ کار:

کھانے کے وقت خیمے کے سامنے تعداد کے مناسب پیکٹ رکھے جاتے تھے پھر ایک فوجی قیدیوں کی لائن بنا کر ایک پیکٹ خوراک اور ایک بوتل پانی دیتا تھا۔ کھانا کھانے کا دورانیہ 30 منٹ کا ہوتا تھا زائد وقت لینے پر سزا ملتی تھی، ایک ٹشو پیپر اور دو بالٹی پانی بیس قیدیوں کو دیتے اور خالی بالٹی دن میں تین مرتبہ ہر قیدی سے بھروا کر ٹینکی میں ڈالا جاتا تھا اور وہ ٹینکی پھر باتھ روم کے لیے استعمال ہوتی۔

ہر بیماری کے لیے ایک ہی گولی:

بہت سے ساتھی بیمار ہو گئے تھے اور علاج کے لیے ڈاکٹروں کی بجائے خواتین نرسیں آتی

تھیں جن کے ساتھ صرف تھرمامیٹر ہوتا تھا یہ نرسیں علاج کے طریقے سے ناواقف تھیں ہر شخص کو ہر بیماری کے لیے ایک طرح کی دوائیں دیتی تھیں۔ قبض، نزلہ اور بخار کی بیماری بہت زیادہ تھی اور علاج کے لیے پانی کے کثرتِ استعمال کے لیے کہا جاتا تھا، یہ قید خانہ ہوائی ایئر پورٹ کے قریب تھا اور قندھار میں عموماً گردوغبار حد سے زیادہ ہوتا ہے خصوصاً جب ہوا چلتی تو ہمارا سارا کھانا مٹی بن جاتا تھا، بڑے بڑے ہیلی کاپٹرز کی لینڈنگ ہر وقت رہتی تھی اور خصوصاً راتوں کو تو ہیلی کاپٹروں کے شور کی وجہ سے نیند خراب ہو جاتی تھی اور پھر پورے دن سر میں درد رہتا تھا، فوجی بہت چیختے تھے اور راتوں کو ہمیں کنکریاں مار مار کر سونے نہیں دیتے تھے اور باتوں کی بجائے ہمیشہ گالی دیتے تھے اور اکثر یہ گالی بہت دیتے تھے (Fuck You) جو اخلاقاً بڑی گالی ہے، دن رات قیدیوں کی تین مرتبہ نمبر وار حاضری پھر بعد میں دو مرتبہ ہوتی ہے اور ہر ایک قیدی کو نام کی بجائے نمبر کے ذریعے پکارا جاتا تھا میرا نمبر 306 تھا۔ وہ 306 بول کر میری حاضری لیتے تھے اور میری رہائی تک میرا یہی 306 نمبر تھا۔

دو ہوش رُبا قصے:

دو عجیب و غریب قصے ابھی تک میرے دل میں ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان کا ذکر بھی ضرور ہو وہ یہ کہ گنتی کرنے والوں کی اپنی شرائط تھیں۔ چند دنوں بعد حاضری لینے والا بدلتا رہتا اور دن رات کا حاضری لینے والا بھی الگ الگ ہوتا تھا، ایک مرتبہ حاضری لینے والا فوجی آیا اور ترجمان کے ذریعے حکم دیا کہ جب بھی میں یہاں قریب ظاہر ہوں تو تم سب نے کھڑا ہونا ہے اور لائن میں کھڑا ہونا ہے اور مجھے سلامی دینی ہے تم لوگوں کو خاموشی سے نظریں جھکا کر حاضری دینی ہوگی اور جب میں حاضری بولوں گا تو تم نے (Welcome) بول کر مجھے اپنا نمبر شمار بتانا ہوگا اور اس کے بعد پیچھے جا کر کھڑا ہونا ہوگا اور جب تک میں حکم نہیں دوں گا وہیں کھڑے رہو گے، خلاف ورزی پر مجھے غصہ آئے گا اور دنیا میں مجھ سے کوئی بدتر نہ ہوگا، میں یہ سوچتا رہا کہ اتنے کم رتبہ فوجی کی کیا ہمت جس نے کوئی نوکری نہ ملنے پر

فوجی کا راستہ اختیار کیا کہ وہ ہزاروں مسلمانوں کی توہین کر رہا ہے اور قیدیوں کے ساتھ تمام عالمی قوانین کو روندرہا ہے۔ ان امریکیوں کا ہر کم تر کم رینج والا فوجی بھی غرور و تکبر اور ظلم و جبر کا وحشی کارندہ ہے، لیکن غیرت مند ایماندار مسلمان قیدیوں نے ان کی یہ خواہش کبھی پوری نہ کی اور ہر طرح کی سزائیں برداشت کرتے رہے۔

دوسرا قصہ (کالا فرعون):

دوپہر کے وقت حاضری لینے والا ایک کالا کلوٹا بندر کی شکل کا فوجی جو کئی دنوں تک مسلسل حاضری لیتا رہا تھا دوپہر کے وقت شدید گرمی میں ساتھی قیدیوں کو آدھا گھنٹہ حاضری لینے سے پہلے شدید لو اور دھوپ میں کھڑا کیے رکھتا تھا اور اللہ کی پناہ اتنے غرور و تکبر سے لائن سیدھی کرنے چلتا تھا کہ میں نے آج تک ایسا کالا فرعون نہیں دیکھا (اللہ تعالیٰ اس کو جہنم واصل کرے۔ آمین ثم آمین) یہ کمبخت ہر روز ہمیں دو گھنٹے شدید لو اور دھوپ میں کھڑا کیے رکھتا تھا۔ یہ قصہ میں اس لیے نہیں بھلا سکتا کہ انسانی حقوق کے ٹھیکیدار جو ایک شیر سے ٹڈی دل تک کے لیے قانون رکھتے اور اس کا پرچار کرتے ہیں مگر ہم بے گناہ مسلمانوں کے لیے ان کے ہاں قانون نام کی کوئی چیز کیوں نہیں ہے؟؟؟

ایک دن اس بدبخت فوجی نے میرے ہاتھوں میں شیشے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا دیکھا اور فوراً مجھ پر ٹوٹ پڑا کہ یہ کیا ہے؟ فوراً مجھے دو۔ میں نے شیشے کا یہ باریک ذرہ اس کی پھینک دیا تو اس نے مجھ سے پوچھا یہ کہاں سے لائے ہو؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ نہ میرا سامان اپنا ہے نہ خود یہاں آیا ہوں اور یہ تو ویران کھنڈر ہے اور یہ مجھے یہیں سے ملا ہے اور یہاں تو سب کچھ ملتا ہے اس لیے کہ ویرانا ہے لیکن وہ چیختا رہا اور کہتا رہا:

(Tan't Tak I will Fuck you)

پھر صلیب کی طرح مجھے گھٹنوں کے بل کھڑا کیا گیا اور کئی گھنٹوں تک سزا دیتا رہا وہ قیدیوں پر چکر لگاتا رہتا تھا اور میرے پاس پہنچ کر گالی دینا شروع کر دیتا تھا میں پوچھتا کہ

کیوں گالیاں دیتے ہو تو وہ مزید گالیاں بکنا شروع کر دیتا تھا۔ فوجیوں کو جواب دینا جرم تھا ان کے لیے کوئی قانون نہیں تھا اور ہم بے بس تھے اس لیے کہ کچھ کہنے پر وہ سخت سزا دیتے تھے میں یہ لمحہ کبھی نہیں بھلا سکتا کہ ایک حرامی فوجی غلام کے ہاتھ میں مظلوم مسلمان مؤمن بھائیوں کو اپنے ہی مسلمان بھائیوں نے کیسے اپنا دین اور ایمان بیچ دیا ہے؟

" اللہ ارحم علینا و اصلح امراء نا . "

(یا اللہ! ہمارے حال پر رحم فرما اور ہمارے حکمرانوں کی اصلاح فرما)

بے خوابی کی سزا:

یہ مربع قید خانہ جہازوں کا پرانا ورکشاپ تھا اور اس میں چھوٹی چھوٹی جگہیں تھیں اور جب بھی کسی کو سزا دیتے تھے ایسی چھوٹی چھوٹی جگہوں میں اسے اندر لے جاتے اور سزا دیتے تھے اس قید خانے کی چھ منزلیں تھیں جو کہ لکڑی کی بنی ہوئی تھیں، یہاں چوبیس گھنٹے فوجی ہوتے تھے اور ان کے ساتھ کتے پوری رات بھونکتے تھے اور یہ فوجی خود بھی ان کے ساتھ چلاتے تھے تاکہ ہمیں سونے نہ دیا جائے اور ہماری نیند خراب ہو۔ یہاں بے خوابی کی سزا دی جاتی تھی اور یہاں پر میں نے سینکڑوں قیدیوں کو ہتھکڑیوں میں بند شدید تکلیف میں دیکھا۔

105 سالہ بوڑھا قیدی:

ایک مرتبہ اچانک ہمارے کمرے میں ایک انتہائی سفید ریش بابا قیدی کو کھینچتے ہوئے لایا گیا وہ بے ہوش تھا اور ضعیف عمر کی وجہ سے شدید تکلیف میں تھا جب ہوش میں آیا تو اس کو تفتیش کاروں نے الٹا لٹانا چاہا لیکن انہیں طریقہ نہیں آتا تھا اور ہم بھی اس کی مدد نہیں کر سکتے تھے بالآخر فوجیوں نے ان کو الٹا لٹایا اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کے اوپر بیٹھ گئے اور اس کا سر زمین پر دباتے رہے۔ بابا سمجھا کہ شاید مجھے ذبح کیا جا رہا ہے وہ زور زور سے چیختے رہے اور کہتے رہے کہ ظالمو! مجھے دو منٹ کے لیے تو چھوڑ دو تاکہ میں دو رکعت نفل کی نماز تو پڑھ لوں۔ میں نے بابا سے کہا کہ بابا پریشان نہ ہو آپ کو ذبح نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ آپ کو

تحقیق کے لیے لے کر جائیں گے فوجیوں کو بابا کی زبان سمجھ میں نہیں آتی تھی، اور اس کو یہ بھی پتہ نہیں تھا پہلے سے موجود قیدی کون ہیں؟ بعد میں جب میں نے بابا سے پوچھا تو وہ ضلع چار چینو صوبہ ارزگان کا رہنے والا تھا اور ان کی عمر 105 سال تھی یہ بابا کیوبا کی دوزخ نما جیل سے رہائی پانے والا پہلا قیدی تھا۔

امریکی فوجی دورانِ نماز سر پر بیٹھ گیا:

ایک دن ہم صبح سویرے نماز کی تیاری میں مصروف تھے وضو کی زحمت سے تو ہم پہلے سے ہی بری تھے اس لیے کہ پانی نہ دینے کی وجہ سے نماز کے لیے تیمم کیا کرتے تھے میں امامت کرانے کے لیے آگے بڑھا اور جماعت کھڑی ہوگئی تو باہر سے فوجی ہم میں سے ایک عرب قیدی بھائی جن کا نام عادل تھا اور تیونس کا رہنے والا تھا، کو پکارتے رہے بار بار آواز لگانے کے باوجود عادل نہ جاسکا اس لیے کہ نماز میں مصروف تھا لیکن جب میں سجدے میں گیا تو فوجی آکر میرے سر پر بیٹھ گیا اور دوسرے عادل کو دورانِ نماز ہی کھینچتے ہوئے گھسیٹتے ہوئے تحقیق کے لیے لے گئے اور بعد میں ہم نے نماز دوبارہ پڑھی۔ عالمی قوانین میں تمام مذاہب کا احترام موجود ہے اور خصوصاً عبادت کے وقت تو بالکل کسی کو کچھ کہنے کی عالمی قوانین میں بھی اجازت نہیں لیکن امریکا عالمی قوانین کو روندتے ہوئے عبادت بھی سکون سے نہیں کرنے دیتا۔ یہ ہے امریکیوں کی وحشت اور مسلمانوں پر ظلم۔

ایک پاکستانی پر تشدد:

تین خیمے قریب قریب تھے میرے قریب کے خیمے میں ایک پاکستانی بھائی بھی تھا جس کے دانت میں شدید درد تھا اور نرس اسے صرف (Talinol) گولی دیتی تھی جو وہ ہر مریض کو دیتی تھیں، بیچارا بہت چیخا لیکن کوئی سننے کے لیے تیار نہیں تھا اسی اثناء میں بندر نما سرخ رنگ والا ایک چھوٹے قد کا فوجی روٹی تقسیم کرنے آیا تو پاکستانی بھائی کو دیر ہوگئی اس لیے کہ وہ کھا نہیں سکتا تھا اور کھانے کا وقت 30 منٹ ختم ہوگئے تو اس نے فوجی سے مزید کھانے کا وقت

مانگا، کمبخت فوجی نے اس کو دروازے کے پاس بلایا اور وہاں اس کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر منہ پر زور زور سے مارتا رہا اور اس کو شدید زخمی کیا۔ دوسرے دن جب کھانا آیا تو ہم نے کھانا لینے اور کھانے سے انکار کر دیا یہ بات آگے کی طرح پوری جیل میں پھیل گئی اور جیل کا سپرنٹنڈنٹ فوراً ہمارے پاس آیا کہ تم لوگ کھانا کیوں نہیں لیتے ہو؟ ہم نے گزشتہ واقعہ اس کو سنایا تو اس نے یقین دہانی کروائی کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا پھر ہم نے کھانا لے لیا۔

ایک دن جب یہی بد بخت بندر نما فوجی آیا تو اس نے محمد نواب جو کہ سعودی شہری تھا اور بہت شدید بیمار تھا کی شدید پٹائی کی یہ کمبخت فوجی ہمارے ساتھ پہلے سے تعصب رکھتا تھا اور ہم کسی کو نہیں بتا سکتے تھے اور یہی وہ بے غیرت فوجی تھا جس نے قرآن کی بے حرمتی کی جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

قرآن مجید کی بے حرمتی پر مسلمانوں کا غمزدہ ہونا:

ایک دن میں سویا ہوا تھا کہ اچانک رونے کی آوازیں اتنی زور اور کثرت سے میں نے سنیں کہ میں جاگ گیا دیکھا کہ سارے قیدی تمام خیموں میں زور زور سے رو رہے تھے جبکہ اس سے پہلے وہ تلاوت اور ذکر و اذکار میں مصروف ہوتے تھے۔ میں نے تمام ساتھیوں کو ایسا غمزدہ پریشان اور زار و قطار روتے دیکھا کہ اس سے پہلے میں نے کسی کو اس حال میں نہیں دیکھا میں نے رونے کی وجہ پوچھی تو سعودی عرب کے رہنے والے محمد نواب نے مجھے اس موٹے کافر فوجی کی نشاندہی کی (جس نے پاکستانی بھائی کو منہ پر مارا تھا اور ہم نے اس پر احتجاج کیا تھا) اور کہا کہ اس نے قرآن مجید پر پیشاب کر کے اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح قرآن مجید کی بے حرمتی ایک عام مسلمان کے لیے بھی قابلِ برداشت نہیں۔ یہ ایسا واقعہ تھا کہ جو سب سے زیادہ دردناک اور اذیت ناک تھا۔

قرآن مجید واپس لے لو!

اس کے بعد ہم نے ہلالِ احمر کے کارندوں سے کہا کہ جیل میں موجود تمام قیدیوں سے

قرآن مجید واپس لے لیے جائیں، اس لیے کہ ہم اس کی حفاظت نہیں کر سکتے اور اس کی بے حرمتی ہمارے لیے قطعاً ناقابل برداشت ہے، لیکن ہلالِ احمر نے یہ کام نہیں کیا پتہ نہیں امریکیوں نے انہیں منع کیا؟ یا پھر کیوں انہوں نے ایسا نہیں کیا؟ لیکن امریکیوں نے ہمیں اطمینان دلایا کہ آئندہ قرآن مجید کے ساتھ اس طرح نہیں ہوگا اور اس حرامی فوجی کو سزا دی جائے گی لیکن افسوس کہ وہ حرامی فوجی اُسی قید خانہ میں گھومتا پھرتا تھا اور اُسی طرح دل آزاری اور توہین آمیز سلوک کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس جیسے تمام لوگوں سے جہنم کو بھر دے (آمین) قرآن کی بے حرمتی کا یہ واقعہ ایک مقامی امریکی رسالے نے بھی شائع کیا۔

امریکی فوجیوں کی ''بہادری'' کی ویڈیو فلم:

ایک رات جب ہم نے کھانا کھایا تو اچانک ہیلی کاپٹر کی آواز آئی اور پھر کیا دیکھا کہ فوجیوں کا ایک بہت بڑا لشکر خیموں کے اندر آیا اور ایک فوجی گاڑی جس کے اوپر مووی کیمرے نصب تھے ہمارے درمیان آکر رک گئی اور اس کے بعد ہمیں الٹا لٹانے کا حکم دیا گیا اور ڈنڈوں اور ڈھالوں سے مسلح ایک بڑا فوجی دستہ اچانک داخل ہوا اور ہمیں ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پھینکنا شروع کیا۔ فوجی اس منظر کی ویڈیو فلم بناتے رہے تاکہ امریکی قوم و ملت کو یہ بتایا جاسکے کہ ہمارے فوجی کتنے بہادر اور تیز رفتار ہیں کہ ایک لمحے میں وہ ان کے بقول دہشت گردوں کو گرفتار کر کے انجام تک پہنچا سکتے ہیں۔ یہ انسانی لباس میں انسانیت کے خلاف وحشی امریکا کی ایک بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی تھی۔

مشروط رہائی کی پیشکش اور انکار:

ایک دفعہ آدھی رات کو تقریباً ایک بجے میرا نمبر پکار کر مجھے نیند سے جگایا گیا اور تحقیق کے لیے مجھے دوسری جگہ لے گئے وہاں پر ایک تفتیش کار اور ترجمان پہلے سے موجود تھا پھر دو اور مزید تفتیش کار آگئے، میز پر چائے پڑی ہوئی تھی اور انہوں نے بڑی خوش آمدکی اور پھر قید خانے کے متعلق کچھ پوچھا پھر گھر والوں کا پوچھا کہ آپ کو ان کا کوئی پتہ حال واحوال ہے کہ

نہیں؟ میں بہت حیران ہوا کہ اتنی نرمی کیوں کر رہے ہیں پھر مجھ سے انہوں نے کہا کہ ہم نے بہت تحقیق کی ہے آپ کے خلاف ہمیں کوئی بھی ثبوت نہیں ملا اور امریکی قید میں ہمارے لیے کوئی فائدہ نہیں ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو رہا کر دیں لیکن آپ یہ ہمیں ضرور بتائیں کہ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ کتنے پیسے چاہئیں؟ کتنے ٹیلیفون چاہئیں؟ اور یہ بتائیں کہ ہمارے ساتھ ملا عمر اور اسامہ کی گرفتاری میں آپ کتنی مدد کر سکتے ہیں؟ ہم ابھی سے آپ کی رہائی کا بندوبست کرتے ہیں۔

اس لمحے میرے لیے گرفتاری اس رہائی سے ہزار درجہ بہتر تھی کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کے سر کا سودا کافروں سے کروں۔ میں بات دوسری طرف لے گیا اور میں نے ان سے پوچھا کہ آخر آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ لوگوں نے مجھے کیوں گرفتار کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہمارا خیال یہ تھا کہ تم القاعدہ کے رکن ہو گے اور تمہیں القاعدہ کے مالی مراجع اور کارکنوں کا علم ہو گا اور 11 / 9 کے بارے میں تمہیں مکمل معلومات ہوں گی لیکن تم ہماری تحقیقات کے مطابق بے گناہ نکلے اور تم صرف ایک محب وطن شہری ہو۔ تو میں نے ان کے جواب میں کہا کہ آپ کے قول کے مطابق جب میں بے گناہ ہوں اور آپ نے امریکیوں اور آپ کے پاکستانی غلاموں نے مجھ پر ظلم کیا تو پھر میری رہائی کے لیے شرائط کیوں لگائی جا رہی ہیں اور بغیر کسی شرط و قید کے کیوں رہا نہیں کیا جا رہا؟ لیکن تفتیش کار برابر مالی و مادی لالچ دیتے رہے اور تین دن تک یہ سلسلہ جاری رہا میرے انکار پر ان کا لب و لہجہ ایک مرتبہ پھر سخت ہوا اور پھر (جبر و تشدد کا) پرانا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

قندھار سے گوانتانا موبے منتقلی:

ایک روز صبح کے وقت جب ہم خیمے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے کہ بہت سے فوجی ہمارے خیموں میں آئے اور دس دس قیدیوں کو زنجیروں اور بیڑیوں سے باندھ کر باہر لے گئے ہم آپس میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں اور تبصرے کر رہے تھے، کوئی کہہ رہا تھا کہ ہمیں رہا

کیا جارہا ہے اور کوئی کہتا تھا کہ نہیں کسی اور جگہ منتقل کیا جارہا ہے، غرض جتنے منہ اتنی باتیں تھیں، اس کے بعد باری باری قیدیوں کے سر، ڈاڑھیاں، مونچھیں اور بھنویں مونڈھ دی گئیں اس طرح میری باری بھی آئی تو میرے لیے یہ مرحلہ موت سے سخت تھا، میری ڈاڑھی بھنویں اور سر کے بال مونڈھ دیئے گئے اور میں بے بس تھا، مزاحمت پر مجھے زوردار تھپڑ کھانا پڑا جس سے اس سے پہلے کے ایک ڈاکٹر کی مار بھی یاد آتی ہے کہ اس نے مجھے شدید تھپڑ آنکھوں پر اس وقت مارا تھا جب میں نے اس سے درد کی شکایت کی تھی اور ڈاکٹر کے دوبارہ استفسار اور میرے جواب پر اس شیطان ڈاکٹر نے مجھے اور مارا تھا۔

تم ہمارے غلام ہو:

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ امریکی فوج نے قرآن کریم کی بے حرمتی کا سلسلہ قندھار میں شروع کیا تھا اور یہاں کیوبا جیل میں تقریباً دس مرتبہ قرآن مجید کی انتہائی ذلت آمیز بے حرمتی کی گئی، پانچ مرتبہ تو خود امریکیوں نے بھی اسے تسلیم کیا اور اس پر میڈیا بھی گواہ ہے اور یہ ایک حقیقت تھی کہ امریکی قرآن کی بے حرمتی کر کے تمام مسلمانوں کو یہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ تم ہمارے غلام ہو اور تمہارے دین وقرآن کی کوئی عزت ہے اور نہ ہی قابل احترام وعزت ہیں۔ کیوبا میں ہمیں 80 فیصد سزا قرآن مجید کی بے حرمتی کر کے دیتے تھے کیونکہ امریکیوں کو معلوم تھا کہ قرآن کریم مسلمانوں کا مذہبی صحیفہ ہے اور اس کی توہین سے ان کی زبردست دل آزاری ہوتی ہے اور باقی 20 فیصد تکالیف اور تھیں۔

قرآن مجید کو دیکھ کر روتا تھا:

عبداللہ خان صوبہ ارزگان کے ضلع چارچینو کے رہنے والے ہیں اور ان کا اصل نام خیر اللہ ہے ان کو خیر اللہ خیر خواہ کے نام پر گرفتار کیا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ قندھار میں جب مجھ سے تفتیش کی جاتی تھی تو مجھے الٹا لٹایا جاتا تھا اور میرے سامنے امریکی فوجی قرآن مجید کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اڑاتا تھا اور ان کے ساتھ کتا اسے منہ میں لیتا تو ہم سب اللہ اکبر کی

آواز لگاتے تھے، ایک مرتبہ جب ہم نے کتے کے منہ میں قرآن پاک دیکھا تو سب نے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، کتا گھبرایا اور قرآن مجید چھوڑ کر بھاگا اس پر فوجی نے قرآن مجید اٹھایا اور میری طرف پھینکا تو وہ جا کر باتھ روم میں لگا۔ میں قرآن مجید کو دیکھ کر روتا تھا اور اسے مخاطب کر کے یہ کہتا تھا کہ اے قرآن مجید! تیرا کوئی قصور نہیں تیرے ساتھ وحشی انسان بڑی زیادتی کر رہا ہے اور میں اس پر گواہ ہوں اور میرے ساتھ اس لیے زیادتی ہو رہی ہے کہ میں تجھ پر عمل کر رہا ہوں۔ اے قرآن کریم! ہم دونوں ایک دوسرے کی حالت دیکھ رہے ہیں کل قیامت کے دن میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں تمہارے متعلق اور تم میرے متعلق گواہی دینا کہ جابر فرعونی امریکی قوت نے ہم پر کیا زیادتی کی تھی۔

متوکل صاحب سے ملاقات:

ایک دن مجھے تفتیش کے لیے لے جایا گیا تو ایک تفتیش کار نے پوچھا کہ ''آپ متوکل صاحب (طالبان دور کے وزیر خارجہ جنہیں امریکہ نے افغانستان سے گرفتار کر کے گوانتاناموبے میں قید کر دیا، پھر بے گناہ ثابت ہونے پر رہا کر دیا) کو جانتے ہیں؟ ان کا احترام کرتے ہیں؟ اور کیا آپ چاہتے ہیں کہ ان سے آپ کی ملاقات ہو؟'' میں نے اثبات میں جواب دیا۔ مجھے شک ہوا کہ وکیل احمد متوکل صاحب بھی پکڑے گئے ہیں۔ میں نے پوچھا ''متوکل صاحب کہاں ہیں اور ان سے کیسے ملاقات ہو سکتی ہے؟'' تفتیش کار نے بتایا کہ ''وہ ہماری تحویل میں ہیں۔ آپ چاہیں تو ہم لے آئیں؟'' میں نے کہا ''ضرور......'' میں ان سے اس لیے ملنا چاہتا تھا کہ معلومات لے سکوں اور ان سے طالبان بھائیوں کی حالت زار کے بارے میں پوچھ سکوں مگر مجھے اس امر کا پتہ نہیں تھا کہ ہماری ملاقات سے امریکی فوج کا مقصد کیا تھا؟ کچھ دیر بعد متوکل صاحب کو لایا گیا۔ ان کے ہاتھ میں ایرانی بسکٹ بھی تھے جو وہ بطور تحفہ میرے لیے لائے تھے۔ علیک سلیک کے بعد باتیں شروع ہوئیں، میرے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اس لیے بسکٹ کھانا ممکن نہ تھا۔ میں نے ان کا تحفہ

قبول کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا مگر یہ بسکٹ میں اپنے ساتھ بھی نہ لے جا سکتا تھا۔ دس منٹ گفتگو کے بات متوکل صاحب رخصت ہوئے اور مجھے واپس لے جایا گیا۔

رہائی کے بدلے امریکی جاسوس بننا ہوگا:

اس ملاقات سے مجھے اندازہ ہوا کہ بہت جلد گوانتاناموبے لے جایا جاؤں گا۔ گو کہ متوکل صاحب نے ایسی کوئی واضح بات نہیں کہی تھی مگر میرا گمان یہی تھا۔ اس کے دوسرے دن مجھے پھر تفتیش والے کمرے میں لے جایا گیا۔ یہ قندھار میں میری تفتیش کا آخری مرحلہ تھا۔ تفتیش کار نے مجھے بتایا کہ یکم جولائی کو گوانتاناموبے کے لیے آپ کی پرواز ہوگی۔ ہم ان قیدیوں کو گوانتاناموبے بھیجتے ہیں جو مرتے دم تک وہاں رہیں گے اور موت کے بعد بھی یہ گارنٹی نہیں کہ ان کی میت وطن واپس لائی جائے گی یا نہیں؟ اب یہ آپ کے پاس آخری موقع ہے بتائیں گھر جانا ہے یا گوانتاناموبے؟ گھر واپسی کے لیے اس تفتیش کار نے اپنی پرانی شرائط دہرائیں۔ بالفاظ دیگر مجھے کہا کہ آپ کو رہائی کے بدلے امریکی جاسوس بننا ہوگا۔ اللہ مجھے اس کام سے بچائے۔ تفتیش کار نے سوچنے کے لیے پھر ایک دن کی مہلت دی اور کہا کہ خوب سوچ سمجھ کر کل جواب دے دو۔ میں نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا کہ کل بلانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے سوچ لیا ہے، میں کسی قسم کی مصلحت سے کام نہیں لوں گا کیونکہ میں خود کو قصوروار نہیں سمجھتا۔ آپ کی مرضی جہاں لے جانا چاہتے ہیں، لے جائیں۔ میرا جواب سننے کے بعد مجھے واپس خیمے میں لایا گیا۔ میں اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ کب مجھے گوانتاناموبے روانہ کیا جائے گا۔ اس کے اگلے دن میری ڈاڑھی، سر کے بال اور مونچھیں پھر مونڈ دی گئیں۔

برہنہ فوٹوگرافی:

یکم جولائی 2002ء کی شام بہت زیادہ تعداد میں امریکی فوجی آئے اور ہم میں سے آٹھ افراد کو قطار میں کھڑا کر کے سروں پر کالے تھیلے چڑھائے گئے، کانوں میں روئی ٹھونسی

گئی اور ہاتھ باندھے گئے۔ ہم آٹھ افراد کو ایک دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا گیا، جہاں ہمارے کپڑے اتارے گئے اور ہماری برہنہ فوٹوگرافی شروع ہوئی۔ اس کے بعد سرخ رنگ کے کپڑے اور سرخ بوٹ پہنائے گئے، ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈالی گئیں۔ ہتھکڑیاں ایسی سخت تھیں کہ ہم اپنے ہاتھوں کو حرکت تک نہ دے سکتے تھے۔ کچھ دیر بعد ہمیں مار مار کر اور دھکے دے دے کر جہاز میں سوار کرایا گیا جہاں ہم سب کو ایک مشترکہ زنجیر سے باندھ کر اس کو تالا لگا دیا گیا۔ زنجیر کو اس قدر کس کر باندھا گیا تھا کہ کوئی بھی ساتھی حرکت نہ کر سکتا تھا، نہ آگے نہ پیچھے، نہ دائیں نہ بائیں۔ ایک نئے عذاب نے ہمیں گھیر لیا۔ جہاز نے اڑان بھری، ہر قیدی کے سامنے دو فوجی کھڑے ہو گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ قیدیوں کی فریاد بھی بڑھتی گئی۔

قندھار سے گوانتاناموبے تک ایک گلاس پانی:

میرے ساتھ ہی بندھے خیر اللہ خیر خواہ (سابق گورنر ہرات) نے کئی بار ہاتھوں میں تکلیف کی شکایت کی مگر بے سود۔ میں بھی سخت اذیت سے دوچار تھا، کمر ٹوٹتی محسوس ہو رہی تھی، پاؤں میں اتنا شدید درد تھا جیسے کاٹے گئے ہوں۔ شکایت اس لیے نہیں کر سکتا تھا کہ قصائی کو کون ڈاکٹر سمجھتا ہے۔ کچھ دیر بعد بہت سے ساتھیوں نے تکلیف کے مارے باقاعدہ رونا شروع کر دیا، جیسے ہر کوئی نزع کی حالت میں ہو۔ ہمیں پرواز سے چار گھنٹے قبل جہاز میں باندھا گیا تھا، تین گھنٹے جہاز اترنے کے بعد رکھا گیا جبکہ بیس گھنٹے کی مسافت تھی۔ اس طرح جہاز سے قید خانے تک ہم نے جو وقت لیا وہ کل ملا کر 30 گھنٹے بنتا ہے۔ ہم 30 گھنٹے زندگی کے سخت ترین عذاب سے گزرے۔ ہمیں توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کڑے وقت کی جزا اپنی رضا کی صورت میں ضرور عطا فرمائے گا۔ قندھار سے گوانتاناموبے تک ہر قیدی کو صرف ایک گلاس پانی اور ایک عدد سیب دیا گیا۔ شاباش انسانی حقوق کے علمبردارو! 30 گھنٹے اور ایک سیب اور ایک گلاس پانی؟ اس سے اندازہ لگائیے کہ امریکیوں کے دلوں میں انسانیت کا

کتنا احترام ہے۔ میں نے سیب کو ہاتھ لگایا نہ پانی کو۔ اول تو ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، دوم اگر میں کچھ کھاتا پیتا تو پیشاب کی صورت میں ایک نئے عذاب سے گزرنا پڑتا۔ ہم سب کے ہاتھ پاؤں سوج گئے، دس بارہ گھنٹے تو بالکل بے حس ہو گئے، ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ہاتھ پاؤں میں چبھ گئی تھیں جن کو اتارتے وقت امریکیوں کو بھی دقت ہوئی۔ دوران سفر جہاز کچھ وقفے کے لیے ایک جگہ اترا بھی تھا مگر ہمیں پتہ نہیں چلا کہ وہ کون سی جگہ تھی۔

گوانتاناموبے منتقلی:

ہمیں جہاز سے ایک ایک کر کے اتارا گیا۔ پھر ایک دوسرے کے پیچھے باندھ کر گاڑیوں میں ٹھونسا گیا، انگلش اور عربی زبانوں میں حرکت نہ کرنے کا حکم بار بار سنایا جاتا۔ کوئی حرکت کرتا تو زوردار لات اس کا مقدر بن جاتی، میں نے بھی متعدد لاتیں کھائیں۔ ہمارے ہاتھ پاؤں کی سوجن ایک مہینے تک برقرار رہی جبکہ تین مہینے تک ہاتھ پاؤں ایسے محسوس ہوتے تھے جیسے شل ہو چکے ہوں۔ ہم سب کو گاڑیوں سے اتارا گیا اور سیدھا ایک کلینک لے جایا گیا، جہاں سارے قیدیوں کے ایکسرے کرائے گئے۔ پھر ایک تفتیشی کمرے میں لے جایا گیا۔ میری باری آئی تو پہلے مجھے اس کمرے میں باندھا گیا، کچھ دیر بعد ایک شخص آیا جو فارسی بولتا تھا، اس نے پوچھا'' کیسے ہو؟ میرا نام ٹام ہے، مجھے یہاں تفتیش کے لیے مامور کیا گیا ہے۔'' میں سخت تھکا ہوا تھا، بات نہ کر سکتا تھا۔ صرف اتنا کہا کہ میں بات کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، پھر دیکھیں گے مگر اس کا بات کرنے کا اصرار بڑھتا رہا۔ میں نے سوچا کہ پہلے گوانتاناموبے بھیجے جانے سے ڈرتا تھا، اب ڈر کا ہے کا ہے؟ بلکہ اب تو میں موت کو اپنی زندگی پر ترجیح دیتا تھا۔ ٹام جتنا اصرار کرتا اتنا ہی میں سخت ہوتا گیا، حتیٰ کہ وہ مایوس ہو کر واپس پلٹ گیا۔

پانچ مہینے بعد وضو کا پانی ملا:

کچھ دیر بعد فوجی آئے اور مجھے روانہ کر دیا، ہم سب قیدیوں کو اس قید خانے میں لے

جایا گیا جو آہنی کنٹینرز سے بنایا گیا تھا۔ یہاں ہاتھ پاؤں کھولے گئے۔ ایک فوجی آیا اور قیدیوں کو پہلے سے تیار کیا گیا کھانا دیا۔ یہاں خوشی کی بات یہ تھی کہ پانچ مہینے کے بعد پانی ملا جس سے ہم وضو کر سکیں۔ میں نے جلدی جلدی وضو بنایا، نماز پڑھی اور سو گیا۔ کچھ دیر سویا تھا کہ قیدیوں کی آواز سے جاگا جو بلند آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ رات لمبی ہو گئی تھی، کچھ بھائیوں نے کہا کہ یہاں دھوپ نہیں نکلے گی، کسی نے خیال ظاہر کیا کہ یہاں رات 18 گھنٹے کی ہو گی۔ حقیقت کوئی بھی نہ جانتا تھا، میں پھر سو گیا، تہجد کے لیے بھی نہ اٹھا۔ فجر کی نماز تک گہری نیند سوتا رہا، نہ فوجیوں کی آواز تھی نہ کتوں کے بھونکنے کی۔ صبح ہوئی، نماز پڑھی پھر گپ شپ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اچھی بات یہ تھی کہ اندر بلاک میں باتوں پر پابندی نہ تھی اور فوجیوں کا رویہ بگرام اور قندھار میں متعین فوجیوں سے بہتر تھا۔ نسبتاً آزادی تھی مگر یہ آزادی قفس کے اندر تھی۔ ہر قید خانے کی لمبائی چھ فٹ اور اونچائی ساڑھے چار فٹ تھی۔ جستی چادر کی ایک شیٹ قید خانے کے درمیان میں ویلڈ کی گئی تھی جو چار پائی کا کام دیتی تھی۔ بیت الخلاء قید خانے کے اندر ہی بنایا گیا تھا۔ گویا نیند، خوراک، نماز اور رفع حاجت ساری ضرورتیں اتنی سی مختصر جگہ میں پوری کرنی ہوتی تھیں۔ اس جگہ کو آپ پنجرے کا نام دے سکتے ہیں۔

"کیف حالك":

دو پنجروں کے مابین آہنی جالیاں تھیں، رفع حاجت کے وقت بہت مشکل پیش آتی تھی، کوشش ہماری یہ ہوتی کہ ایک دوسرے سے پردہ کر سکیں۔ ہم جس پرواز میں آئے تھے اس میں 7 افغانی بھائی تھے جبکہ باقی عرب تھے۔ ان میں خیر اللہ خیر خواہ، حاجی محمد صراف، مولوی محمد رحیم مسلم دوست، بدر الزمان، بتگین خیر اللہ اور دوسرے بھائی جن کے نام اب یاد نہیں، شامل تھے۔ ساتھی کہتے تھے کہ یہ گوانتانا موبے نہیں عرب کا کوئی جزیرہ ہے کیونکہ آب و ہوا عرب ممالک کی طرح ہے۔ ہمیں قبلے کی سمت کا بھی کچھ پتہ نہ تھا۔ عرب بھائی

امریکیوں کے ہر قول وفعل پر شک کیا کرتے تھے، بعض قیدیوں کو شک تھا کہ پہرے پر مامور فوجی امریکی نہیں، عرب ہیں۔ اسی لیے وہ ان فوجیوں کے سامنے عربی میں بات نہیں کیا کرتے تھے تاکہ ان کے راز افشا نہ ہوں۔ کبھی کبھی ان فوجیوں کے منہ سے بھی عربی الفاظ نکلتے تھے مثلاً جب کسی قیدی کے سامنے آتے تو کہتے: "کیف حالك؟"

گوانتانا موبے کا پہلا کیمپ:

ہمیں گوانتانا موبے میں پہلی دفعہ جس کیمپ میں لے جایا گیا اس کے 8 بلاک تھے۔ ہر بلاک میں 48 قیدیوں کو رکھا جاتا۔ دوپھرنے یعنی واک کی جگہیں اور 4 باتھ روم بھی تھے۔ یہ سارے بلاک لوہے کے بنائے گئے تھے، چھت اور فرش بھی آہنی تھے اور دیواریں بھی۔ دیوار میں ایک چھوٹا سوراخ تھا جس سے ہمیں کھانا دیا جاتا تھا، یہ سوراخ صرف کھانے کے وقت ہی کھلتا۔ یہاں کے فوجی انتہائی بداخلاق تھے، قیدیوں کو انتہائی کم کھانا دیتے تھے۔ ایک بلاک کے قیدی دوسرے بلاک کے قیدیوں سے بات چیت نہ کر سکتے تھے۔ سرخ رنگ کے موٹے اور کھردرے کپڑے پہننے کے لیے دیئے جاتے۔ زیر جامہ کچھ نہ تھا جس کی وجہ سے بہت سے قیدیوں کی جلد خراب ہوگئی تھی۔ ہر قیدی کے لیے کوٹھڑی نما کمرہ مخصوص تھا جس میں دو پتلے بستر، ایک چادر، دو گلاس، ایک پانی کی بوتل، دو تولیے، ایک چھوٹی پلاسٹک شیٹ، ایک ٹوتھ برش، ایک ٹوتھ پیسٹ اور قرآن مجید کا ایک نسخہ پڑا ہوتا۔

رہائی کے بعد لڑائی اور شہادت:

کوئی قیدی سزا کا مستحق قرار پاتا تو صرف پلاسٹک کی شیٹ اس کے پاس رہنے دی جاتی تھی، باقی چیزیں لے لی جاتیں۔ قیدیوں کا زیادہ تر وقت سزا میں گزرتا۔ بعد میں دوسرا کیمپ بھی بنا۔ جنرل بدل گئے جس سے شرائط میں بھی تبدیلیاں آگئیں۔ سختیاں بڑھ گئیں اور تین مزید بلاک قائم کیے گئے، مذہبی کتابیں لے لی گئیں، روزانہ حجامت کی جانے لگی، قیدیوں کو چار کیٹیگریز میں تقسیم کر دیا گیا۔ سب سے سخت شرائط والا درجہ چوتھا تھا۔ اس

درجے والے قیدیوں کو صرف پلاسٹک کی ایک شیٹ دی جاتی تھی جو سردی سے بچاؤ کے لیے ناکافی تھی۔ ارزگان کے رہنے والے ملا عبدالغفور میرے پڑوسی تھے، ہر وقت سزا بھگتتے رہتے۔ امریکی تعصب ان کے لیے دن بدن بڑھتا رہا۔ وہ آخر کار اتنا تنگ آ گئے کہ جب بھی کوئی امریکی فوجی نظر آتا تو گلے پر ذبح کرنے کے انداز میں انگلی پھیر کر اپنے انداز میں امریکی فوجی کو ذبح کرنے کی دھمکی دیتے اور ہر وقت انتقام لینے کی باتیں کیا کرتے تھے۔ امریکی ترجمانوں کو بھی برا بھلا کہتے تھے۔ میں ان کو بہت سمجھاتا تھا اور سزا سے ڈراتا تھا لیکن وہ نہ مانتے۔ پھر کچھ عرصے بعد ان کی شہادت کی خبر ملی۔ اسی طرح میری گوانتاناموبے میں موجودگی کے دوران قندھار کے ملا شہزادہ کی شہادت کی خبر بھی ملی جن کو رہا کیا جاتا تو وہ افغانستان واپسی پر پھر ان کے خلاف لڑنا شروع کر دیتے اور پھر گرفتار ہو کر یہاں پہنچ جاتے۔

گولڈ بلاک کی کوٹھڑی نمبر 15:

میں سال 2003ء تک ڈیلٹا کیمپ کے بلاک نمبر 1، گولڈ بلاک کی کوٹھڑی نمبر 15 اور 8 میں قید رہا۔ پھر تیسرے کیمپ کی 30 نمبر کوٹھڑی میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ بلاک نسبتاً لطف اندوز اس لیے تھا کہ یہاں سے دریا نظر آتا تھا جو صرف 50 میٹر دور تھا، کشتیاں بھی نظر آ جاتی تھیں۔ کچھ عرصہ بعد انفرادی کوٹھڑی لے جایا گیا، میں زیادہ تر وہاں رہا۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف پندرہ منٹ واک کی اجازت ملتی، اس دوران بھی ہاتھ پیچھے بندھے ہوتے۔ بہت عرصے تک ناخن کاٹنے اور سر کے بال مونڈنے کی مشین کا بندوبست نہ تھا، کھانا بہت کم ملتا تھا، کبھی کبھار ایسا بھی ہو جاتا کہ پورا مہینہ ایک مرتبہ بھی پیٹ بھر کے کھانا نصیب نہ ہوتا۔ بھوکا رکھنے کی وجہ سے اکثر قیدی بیمار رہتے، کھانا فوجی تقسیم کرتے تھے اور اس تقسیم کا کوئی قانونی اندازہ نہیں تھا۔ پلاسٹک کے لفافوں اور برتنوں میں خوراک تقسیم ہوتی تھی، ڈسپوزایبل برتن واپس لے لئے جاتے اور تلف کرنے کی بجائے انہی برتنوں میں دوبارہ کھانا دیا جاتا۔ خوراک میں مچھلی، مرغی، گوشت، بھنڈی، لوبیا، گوبھی، آلو، چاول اور انڈے ملتے تھے۔

ایک نوالے کے برابر چاول:

روٹی چار قسم کی ہوتی، کھانا باری باری پکتا تھا۔سبزی ابلی ہوئی ملتی تھی اور سالن اکثر ٹھنڈا ہوتا جس کی وجہ سے قیدیوں کو قبض کی شکایت رہتی تھی۔ مچھلی بدبودار ہوتی اور مرغی کے گوشت میں خون صاف نظر آتا، چاول اتنے کم ہوتے کہ نصیب اللہ نامی ہمارے ایک ساتھی ایک نوالہ بھر کر کھالیتے تھے۔روٹی اتنی کم مقدار میں ملتی کہ بچے کا پیٹ بھی اس سے نہ بھر سکتا تھا۔تاہم دن کو تین قسم کا فروٹ بھی دیا جاتا جبکہ ناشتے میں ایک گلاس دودھ دیا جاتا، جو روٹی کی کمی پوری کر دیتا تھا۔متعصب فوجیوں کی ڈیوٹی ہوتی تو فروٹ اور دودھ نہ ملتا اور نماز باجماعت پڑھنے پر پابندی لگ جاتی۔بند کوٹھڑیوں میں قیدیوں کو نماز کے اوقات کا پتہ نہ چلتا اس لیے ہر قیدی اپنے اندازے کے مطابق نماز پڑھتا، نسبتاً کھلے قید خانوں سے اذان کی آواز آتی تو امریکی فوجی ہوا میں مکا لہرا کر نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ڈیلٹا کا تیسرا کیمپ بننے سے مشکلات اور بڑھ گئیں، کھانا کم کر دیا گیا اور قیدیوں کی حالت مزید خراب ہوگئی، سزا میں مزید سختی لائی گئی۔ کیوبک کے نام سے نیا کیمپ قائم کیا گیا جہاں سخت سردی میں قیدیوں کو صرف ایک نیکر میں رکھا جاتا۔یہ قیدی لوہے کی ٹھنڈی چادر پر سوتے اور نماز بھی نیکر میں ہی پڑھتے۔

بدن کی گرمائش کے لیے چھلانگیں:

سخت سردی کی وجہ سے اکثر قیدی بیٹھ کر سوتے تھے، بیت الخلاء بھی کھلا تھا اور پردے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔بدن کی گرمائش کے لیے قیدی اکثر چھلانگیں لگاتے تھے یعنی ایک جگہ کھڑے ہو کر جمپنگ کیا کرتے تھے۔واش روم میں ٹائلٹ پیپر ہوتا نہ پانی۔اس لیے اکثر قیدی پینے کا پانی اپنی صفائی کے لیے رکھ دیتے اور پانی اس لیے بھی کم پیتے تاکہ پیشاب نہ آئے، اسی وجہ سے روٹی بھی کم کھاتے تاکہ لیٹرین کی ضرورت پیش نہ آئے۔اس کیمپ میں پلیٹ کی بجائے ہاتھ میں کھانا دیا جاتا تھا، انسانی حقوق کے علمبرداروں سے اسی طرح کے سلوک کی توقع رکھی جاسکتی تھی۔مجھے اس کیمپ میں کم از کم ایک مہینہ رکھا گیا، جو قیدی فوجیوں

کے ساتھ الجھتے ان کی قید میں پانچ مہینے توسیع کردی جاتی تھی۔

گوانتانا موبے میں ایک بلاک پاگلوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ جس میں تنگ آکر بعض قیدی خودکشی کر لیتے۔ خودکشی کے واقعات بڑھ گئے تو قیدیوں کو زنجیروں سے باندھ کر رکھا جانے لگا اور نشہ آور چیز کھلا کر یا انجکشن لگا کر ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا۔

ڈیلٹا کا دوسرا اور تیسرا کیمپ:

بعد میں دو مزید کیمپ بن گئے۔ ایک بہت سخت تھا جبکہ دوسرے میں زندگی نسبتاً آسان تھی۔ ایک کو 4th Camp کا نام دیا گیا اور آخری کو 5th Camp کہا گیا۔ آخری کیمپ میں بہت سختیاں تھیں۔ یہاں زندگی گزارنے کے لیے پہاڑ جتنے حوصلے کی ضرورت تھی، اکثر قیدیوں کو اس کیمپ سے یا تو منتقل کر دیا جاتا یا پھر رہا کر دیا جاتا۔ ایک فوجی کی میرے ساتھ گپ شپ تھی، اس نے بھی مجھ سے یہ بات چھپائی کہ ان قیدیوں کو کہاں منتقل کیا جاتا ہے۔ جو بھائی پانچویں کیمپ سے واپس لایا جاتا تو وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا ہوتا، ہم اس کی شکل سے ڈرتے۔ اس کیمپ کو قیدی "پانچویں قبر" کہتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ بوسنیا کے شیخ جابر سے پوچھا کہ آپ کس کیمپ میں ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا "میں زندگی کی قبر میں ہوں۔"

چوتھا کیمپ:

چوتھا کیمپ اس لیے بنایا گیا تھا تا کہ جن قیدیوں کو رہا کیا جاتا ہے تو یہاں رکھ کر ان کی صحت بحال کی جا سکے۔ شاید اسی مقصد کے لیے قیدیوں کو پورا کھانا اور وافر مقدار میں فروٹ دیا جاتا۔ اس کیمپ میں 200 افراد کی گنجائش تھی اور فوجیوں کا سلوک ٹھیک تھا۔ یہاں ہر کمرہ دس افراد کے لیے تھا، بلاکوں کے سامنے کھانے اور واک کرنے کی بڑی جگہیں تھیں۔ باجماعت نماز پڑھنے اور ورزش کرنے کی یہاں اجازت تھی، ہر کمرے میں دو دو پنکھے لگے ہوتے۔ چوبیس گھنٹوں میں ایک بار نمائشی فلم بھی دکھائی جاتی، اکثر قیدی فلم دکھانے اور

دیکھنے کی مخالفت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تو ایک عرب بھائی نے ٹی وی توڑ دیا تھا۔ ایک اسکول بھی کھولا گیا تھا اور اس اسکول کے بعض طلباء کی عمر 70 سال سے زیادہ تھی۔ طبی چیک اپ کا نظام بھی اچھا تھا۔ فٹ بال، والی بال اور بیڈمنٹن کھیلنے کی اجازت تھی۔ جب کوئی وفد آتا تو کھیلوں کی سرگرمیاں منسوخ ہو جاتیں۔

50 لاکھ ڈالر کی رشوت:

ایک دن ایک فرنچ کٹ ڈاڑھی والا تفتیش کار آیا، اس نے مجھے کہا کہ میں آپ کے لیے خصوصی طور پر واشنگٹن سے آیا ہوں۔ مجھے وہ مداری لگتا تھا۔ قریب آیا اور میرے ہاتھ پاؤں ایسے دیکھنے لگا جیسے کوئی ڈاکٹر ہو، میرے زخموں کے نشانات دیکھ کر افسوس کرنے لگا اور پوچھنے لگا کہ ان ظالموں (امریکیوں) نے آپ کو اتنا سخت باندھ کے رکھا؟ ان کو رحم کیوں نہ آیا؟ کیوں کیوں کیوں؟ اس کے بعد اس نے میری طرف دیکھ کر کہا: ''میں آپ کے لیے بڑی خوشخبری لایا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہم نے آپ کے لیے پانچ ملین ڈالر مختص کیے ہیں۔ آپ اپنا بینک اکاؤنٹ نمبر دیں۔ اس رقم پر صرف اور صرف آپ کا اختیار ہوگا آپ کے پاس گاڑی ہوگی، اپنا ذاتی بنگلہ ہوگا اور آپ کا شمار کابل کے امیر ترین لوگوں میں ہوگا۔'' مجھے یہ سن کر کابل میں مشہور بلی اور چوہے کا لطیفہ یاد آگیا کہ اتنا مختصر سفر اور اتنا زیادہ فائدہ؟ ساتھ ہی اپنا بچپن بھی یاد آگیا جب ہم مٹی کے گھروندے بناتے، محل بناتے، ان میں شادیاں کراتے اور اپنی سلطنت بناتے تھے۔ میں نے پوچھا میرے اوپر اتنا احسان آپ کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ ہمارے لیے کام کرو، ہم جو کہیں وہ مانو، پھر عیش کرو۔ میں نے کہا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا سب کچھ ہے، آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے بھی آپ کے سوالوں کا جواب سچ سچ دیا ہے اب بھی سچ ہی کہوں گا۔ مجھے اور کچھ نہیں صرف آزادی چاہیے اور بس۔ دوسرا یہ کہ میرا کوئی بینک اکاؤنٹ نہیں ہے۔ اس طرح چار گھنٹے بحث کے بعد وہ چلا گیا۔ مجھے رہائی نصیب ہوئی اور نہ کوئی پیسہ ملا۔

اطاعت کرو گے تو زندگی آسان ہو جائے گی:

وفد کے لوگ آتے، ہماری اور کمروں کی تصاویر بناتے، ہمیں ان سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ان میں اکثر امریکی سینیٹرز، صحافی اور سیاح ہوتے۔ اس کیمپ کا یونیفارم سفید رنگ کا تھا، زیر جامہ اور بنیان بھی دی جاتی، یونیفارم کے تین جوڑے دیئے جاتے، جنہیں خود دھونے کی اجازت تھی۔ صابن اور شیمپو بھی دیا جاتا تھا۔ کوئی قیدی کیمپ کے ابتدائی حصے میں منتقل ہو جاتا تو اس کی رہائی کی بات پھیل جاتی۔ ہمیں بھی یقین ہوتا کہ اب اس کو رہا کر دیا جائے گا اور امریکی بھی کہتے کہ کیمپ کے اس حصے میں ایک مہینے سے زیادہ کسی کو قید نہیں رکھا جاتا اور اس کے بعد اس کو رہا کر دیا جاتا ہے۔ مگر بعض اوقات یہ ایک مہینہ برسوں میں تبدیل ہو جاتا۔ امریکیوں کی یہ وعدہ خلافی اور جھوٹ ہمارے لیے کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہر بلاک کے دروازے پر قواعد وضوابط یا ہدایت نامے درج ہوتے تھے۔ ان میں لکھا ہوتا کہ ہماری اطاعت کرو گے تو زندگی آسان ہوگی، امتیازی سلوک آپ کا حق نہیں مگر اطاعت کرنے والوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جا سکتا ہے۔ بصورت دیگر مزید سختیوں کے لیے تیار رہو۔

گندمی رنگ والے امریکی فوجی:

گوانتاناموبے میں فوجیوں کے گروپ بدلتے رہتے تھے۔ ان میں اچھے لوگ بھی ہوتے اور برے بھی۔ ہر چھ مہینے بعد فوجی بدل جاتے۔ زیادہ تر فوجی ہماری حالت زار پر افسوس کرتے اور ہماری درد بھری داستانیں سن کر کہتے کہ امریکی حکومتی عہدیدار ہمیں صحیح استعمال نہیں کر رہے اور جھوٹ بول کر ہمیں دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ فوجی وعدہ کرتے تھے کہ وہ متعصب امریکی وحشیوں کے سلوک سے میڈیا کو آگاہ کریں گے۔ ہوسکتا ہے کہ بعد میں انہوں نے ایسا کیا ہو۔ ایک دن ایک بڑے فوجی افسر نے امریکیوں کا وحشی سلوک دیکھا تو رو پڑا اور کہنے لگا کہ ہم ظالم ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ خود کو مجبور اور بے بس بھی کہتا رہا۔

امریکی فوجیوں کی قسمیں:

امریکی فوجیوں کے رنگ کے لحاظ سے تین گروپ تھے، گندمی رنگت کے حامل فوجیوں کا سلوک اچھا تھا، وہ متعصب نہیں تھے۔ کالی رنگت والے دنبوں کی طرح سست، کم عقل اور غلاموں کی طرح کی طبیعت کے مالک تھے، ان پڑھ قسم کے تھے اور بے تحاشا کھانا کھاتے تھے' یہ کالے فوجی امریکی گورے فوجیوں کے خلاف بہت شکایتیں کرتے تھے، ان کو گالیاں دیتے اور ان کو خودغرض اور ظالم کہتے تھے۔ کالے فوجی جب ہم سے بات کرتے تو انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے' ہمیں کوئی چیز دیتے تو ادھر ادھر دیکھ کر چھپ کر دیتے تھے۔ سرخ امریکی فوجی فریبی اور دھوکے باز تھے، جھوٹ کے استاد تھے اور کالوں سے خود کو برتر محسوس کرتے تھے۔ تفتیش کار اکثر یہی سرخ امریکی ہوا کرتے تھے جبکہ چوتھے گروپ کے فوجیوں کی تعداد خاصی کم تھی۔ اس گروپ کے فوجیوں کو ''انڈین'' کہا جاتا تھا جو اصل امریکی ہیں اور امریکا دریافت ہونے سے قبل وہاں آباد تھے۔ ان کی تعلیمی سطح انتہائی کم تھی، اکثر فوجی نشہ کرنے والے تھے، دیگر امریکی فوجی اپنے ہی ملک کے ان فوجیوں پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ یہ فوجی بھی دوسرے امریکی فوجیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور ان کو بے رحم و ظالم کہتے تھے۔ وہ ہمیں تسلی دیتے اور مظلوم کی نظر سے دیکھتے۔

گوانتاناموبے میں امریکی فوجیوں کے مختلف گروپ:

گوانتاناموبے میں فوجیوں کے تین گروپ تھے، ایک گروپ کا نشان درخت تھا، دوسرے کا کبوتر، تیسرے کا ہلال تھا۔ درخت کا نشان رکھنے والا گروپ اچھا سلوک کرنے والے فوجیوں پر مشتمل تھا۔ یہ فوجی پروگرام کے مطابق عمل کرتے تھے۔ متعصب نہیں تھے، پورا کھانا اور پھل دیتے تھے، مریضوں کا خیال رکھتے تھے۔ نیند کے اوقات میں تنگ نہیں کرتے تھے، بے وجہ تلاشی اور تفتیش نہیں کرتے تھے، غسل اور چہل قدمی کا پورا وقت دیتے تھے، ا۔۔۔ افسروں کو جھوٹی رپورٹیں نہیں دیتے تھے، ہمارے کپڑوں کا بھی خیال رکھتے تھے،

ہتھکڑیاں اور بیڑیاں احتیاط سے پہناتے تھے، ہمارے ساتھی بھی اس گروپ کے فوجیوں کے لیے کوئی مسئلہ نہیں بناتے تھے۔ اگر کوئی دل برداشتہ ہو کر اس گروپ کے فوجیوں سے سخت لہجے میں بات کرتا تو ہم اسے سمجھاتے کہ یہ اچھے لوگ ہیں۔ کبوتر کا نشان رکھنے والے گروپ کے فوجی مختلف مزاج کے تھے۔ شیڈول کے مطابق کام کرتے تھے مگر نیم متعصب تھے۔ کھانے میں ناانصافی سے کام لیتے تھے اور قیدیوں کو بار بار سزائیں دیتے تھے، رات کو پریشان کرتے اور پوری نیند نہ لینے دیتے مگر ان میں بھی بعض فوجیوں کا رویہ ٹھیک تھا۔

جس گروپ کا نشان ہلال تھا اس کے فوجی پرلے درجے کے متعصب تھے، ان کا اخلاقی درجہ صفر تھا، قیدیوں کو ہمیشہ بھوکا رکھتے تھے، ان کو گندے کپڑے دیتے تھے، نیند کے وقت بلیوں اور کتوں کی طرح آوازیں نکال کر پریشان کرتے اور قیدیوں کے ساتھ توہین آمیز سلوک کر کے ان کو غصہ دلاتے تھے۔ ان میں بعض فوجی ایسے تھے جن میں بعض اوقات انسانوں والی نشانیاں دیکھنے کو مل جاتی تھیں۔ ان کے علاوہ بھی تین چھوٹے گروپ تھے ان میں چابی والا گروپ، ہسپانوی گروپ اور نائن فور (94) نامی گروپ تھا۔ ہسپانوی گروپ کے فوجیوں میں تعصب نہیں تھا، ان میں بلا کی انسانی ہمدردی تھی، وہ ہم سے کہتے تھے کہ ہمارے آباؤ واجداد مسلمان تھے، اسی وجہ سے وہ نماز کا احترام کرتے تھے، قرآن کریم کی بے حرمتی نہیں کرتے تھے اور اضافی روٹی کے ساتھ ساتھ پانی، شیمپو اور صابن بھی دیتے تھے۔ اس گروپ کے فوجی انتہائی مختصر مدت کے لیے وہاں رہے کیونکہ بعد میں امریکیوں کو شک ہو گیا تھا کہ وہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ مجھے ایک ہسپانوی فوجی نے ہٹائے جانے سے بیس دن قبل کہا تھا کہ امریکی حکام ہمیں یہاں رہنے نہیں دیں گے اور کسی دوسری جگہ منتقل کر دیں گے۔

چابی والے گروپ کے فوجیوں کو انسانیت چھو کر بھی نہیں گزری تھی، تعصب ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، ہر وقت بداخلاقی کے مظاہرے کرتے رہتے، اور ہمارے مذہبی

شعائر کا احترام نہ کرتے تھے۔ اپنے اعلیٰ حکام کو جھوٹی رپورٹیں ارسال کرتے اور قیدیوں کو سخت سزائیں دلواتے۔ قرآن مجید کی بار بار بے حرمتی کرتے، قیدیوں کو مشتعل کرتے، ان کو تشدد کا نشانہ بناتے اور رات کے وقت بے جا تلاشی لیتے اور جب قیدی محوِ خواب ہو جاتے تو فرش کے ساتھ اپنے بھاری بوٹ مار مار کر شور مچاتے۔ تاہم ان میں سے بھی بعض فوجی قیدیوں کی خدمت کرتے نظر آ جاتے۔ 94 گروپ کے فوجیوں میں شیطانی خصلتیں تھیں۔ وہ تمام کے تمام وحشی اور مغرور تھے، قیدیوں کی تکلیف میں خوشی محسوس کرتے تھے اور ان کو جتنی تکلیف دے سکتے، دیتے تھے۔ ٹیڑھے منہ بات کرتے اور اگر کوئی قیدی تکلیف سے مر بھی رہا ہوتا تو یہ اس کے قریب نہ جاتے۔ ڈاکٹروں کو مریضوں کی رپورٹ بروقت نہ دیتے تھے، بغیر کسی وجہ کے سزائیں دیتے تھے، ہر بات پر گالی دیتے تھے، ان کا رویہ اتنا خراب تھا کہ قیدیوں نے باقاعدہ مزاحمت شروع کر دی جس پر ان فوجیوں کو وہاں سے منتقل کر دیا گیا۔ ہمارا شک تھا کہ وہ یہودی تھے اور اسرائیل سے تعلق رکھتے تھے۔

جنرل ملر کا ایکو کیمپ:

یہ امریکی جنرل بہت ظالم اور متعصب تھا۔ اس نے فوجیوں کو قیدیوں کے ساتھ وحشی سلوک کی مکمل اجازت دے رکھی تھی۔ بعد میں اس کو عراق تبدیل کر دیا گیا۔ ایکو کیمپ بھی اسی نے بنایا تھا جس میں 24 گھنٹے اندھیرا چھایا رہتا، اس کیمپ میں الگ الگ چھوٹے چھوٹے کمرے ہوتے تھے جن میں قیدی تنہا ہوتے تھے، یہاں قید بھائیوں کو اندھیرے کے باعث دن اور رات کا پتہ نہ چلتا تھا۔ یہاں رہ کر بہت سے قیدی نفسیاتی مریض بن گئے تھے۔ قیدی یہاں پر چیختے لیکن ان کے چیخنے کی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی تھیں۔ ریموٹ کنٹرول کیمرے جگہ جگہ نصب تھے جن کے ذریعے قیدیوں کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔ برطانوی شہریت رکھنے والا ہمارا ایک بھائی احمد اس کیمپ میں تین سال گزارنے کی وجہ سے شدید ڈپریشن کا مریض بن گیا تھا۔ احمد دینی تعلیم حاصل کرنے پاکستان گیا تھا مگر

حکومت پاکستان نے اس کو پکڑ کر امریکا کے حوالے کر دیا۔ میرا قندھار قیدی کیمپ میں بھی پڑوسی تھا، انگلش روانی سے بولتا تھا۔ احمد کو بعد میں اتنے امراض لاحق ہو گئے تھے کہ وہ بالکل بے حس ہو کر رہ گیا تھا، کوئی بات اس کے سمجھ میں نہیں آتی تھی، ہر وقت اپنے آپ سے باتیں کرتا رہتا۔ گوانتاناموبے میں کبھی کبھار رات کو اٹھ کر نعتیں پڑھتا اور تلاوت کرتا، اکثر قرانی آیات غلط پڑھتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ مہدی علیہ السلام آرہے ہیں، اس بات سے خود کو تسلی دیتا۔ یمن کے طارق عبدالرحمٰن المعروف ڈاکٹر ایمن سعید آرتھوپیڈک سرجن تھے۔ ویزہ لے کر تعلیم کے حصول کے لیے پاکستان گئے تھے اور پھر مکمل قانونی دستاویزات کے ذریعے افغانستان آئے تھے۔ کابل میں الفلاح نامی این جی او میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ طب کے شعبے سے منسلک افراد کو قید میں نہیں رکھا جا سکتا مگر ڈاکٹر ایمن سعید کو گرفتار کر کے گوانتاناموبے پہنچا دیا گیا۔ ان کو اتنا ذہنی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا کہ آخر میں پاگل ہو گئے۔ ان کی طرح اور بھی بہت سے قیدی پاگل ہو گئے تھے۔ مگر ان کو سزا باقاعدگی کے ساتھ دی جاتی تھی حالانکہ پاگل اللہ تعالیٰ کے حساب کتاب سے بھی مستثنیٰ ہیں۔

افغانستان کا وفد:

ایک دن مجھے اکیلے تفتیش کے نام پر ایسی جگہ لے جا کر باندھا گیا جو میں نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ میں کسی تفتیش کار کا انتظار کرنے لگا مگر دیکھا کہ چند افغان باشندے آئے، سلام کیا اور ادھر ادھر پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنا تعارف افغان حکومت کے نمائندوں کے طور پر کرایا، ان میں قندھار اور جلال آباد سے تعلق رکھنے والے دو پختون، باقی پنج شیری تھے۔ قندھاری نے پانی کا گلاس دیا پھر سوالات پوچھنا شروع کر دیئے۔ سوالات وہی تھے جو امریکی پوچھتے تھے جبکہ میرے جوابات میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس دوران ایک امریکی عورت آئی جو بار بار ان افراد کے کان میں سرگوشی کرتی اور ان کو کچھ لکھا ہوا دیتی، میں نے حقیقت جاننا چاہی اور ان سے پوچھا کہ آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ انہوں نے

جواب دیا کہ ہم آپ کی رہائی چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کا عمل اور رویہ یہ ثابت نہیں کرتا کہ آپ میری رہائی چاہتے ہیں۔ جواباً وہ سب خاموش رہے، میں بھی سمجھ گیا کہ وہ بے بس ہیں کیونکہ بات کرتے وقت بھی وہ چوروں کی طرح ادھر اُدھر دیکھتے تھے۔ میں نے ان پر اعتماد بھی نہیں کیا کہ یہ ہمارے ملک کے حکومتی نمایندے ہوں گے کیونکہ ان کی صلاحیتیں انتہائی کم معلوم ہوتی تھیں۔ ان کے بارے میں دوسرے قیدیوں کے بھی میری طرح کے تاثرات تھے۔ بعض قیدی تو ان کے سوالوں کا جواب گالیوں کی صورت میں دیتے تھے۔ وہ تفتیش میں امریکیوں سے بھی سخت تھے اور خود کو لاعلم ظاہر کرتے تھے۔ چونکہ امریکیوں کے لیے کام کرتے تھے اس لیے قیدی بھی ان کے ساتھ نرمی نہیں برتتے تھے۔ چند دن بعد 16 جون 2004ء کو مجھے واپس چوتھے کیمپ منتقل کر دیا گیا جہاں مجھے ایک سال اور چند مہینے رکھا گیا۔

چشم دید واقعات:

مجھے تین سال چھ مہینے تک مختلف کیمپوں اور قید خانوں میں رکھا گیا۔ اس دوران ایسے ایسے واقعات دیکھے جو دل دہلا دینے والے تھے اور جنہیں اب بھی یاد کرتا ہوں تو رونا آجاتا ہے۔ امریکی فوجی قیدیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھتے تھے، وہ مسلمہ انسانی و بین الاقوامی قوانین کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔ 2003ء میں رمضان المبارک میں دو دن باقی تھے، امریکی آئے اور کہا کہ رمضان المبارک کے احترام میں آپ کو دگنا کھانا دیا جائے گا۔ افطاری کے وقت جوس اور کھجوریں بھی دی جائیں گی۔ یہ ہمارے لیے بہت خوشی کی بات تھی مگر ان کی یہ بات اعلانات تک محدود رہی۔

رمضان پیکج کی واپسی:

صبح ہوئی تو ان کا سلوک اور بھی برا ہوگیا۔ بلاک کے آخری حصے میں تین قیدیوں نے فوجیوں کے ساتھ لڑائی کی، ایک قیدی نے فوجی پر پانی ڈالا، اس کی سزا پورے کیمپ کے قیدیوں کو رمضان پیکج واپس لے کر دی گئی اور فوجیوں نے مزید وحشیانہ سلوک شروع کر دیا۔

ہم نے بارہا امریکی فوجی افسروں سے کہا کہ صرف ایک شخص کی سزا باقی تمام قیدیوں کو کیوں دی جارہی ہے؟ آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں اور رمضان المبارک کا احترام ممکن بنائیں۔ جواب میں انہوں نے کہا کہ ہم فوجی ہیں اور ہمارا قانون یہ ہے کہ ایک آدمی کی سزا سب کو دیتے ہیں۔ یہ ایسا جھوٹ تھا جسے ہم خوف کے بارے جھوٹ نہیں کہہ سکتے تھے۔

قرآن کریم کی بے حرمتی اور بائیکاٹ:

ایک مرتبہ ایک بدشکل خاتون فوجی نے قیدیوں کی تلاشی کے دوران قصداً دو مرتبہ قرآن مجید کو زمین پر پھینکا۔ قیدیوں نے اس بے حرمتی پر خاتون فوجی کو سزا دینے کا مطالبہ کیا مگر امریکی فوجی حکام نے اس مطالبے پر کان نہیں دھرا۔ پہلے کیمپ کے قیدیوں نے اس ظلم پر ہڑتال شروع کر دی جس کا دوسرے اور تیسرے کیمپ کے قیدیوں نے بھی ساتھ دیا۔ قیدیوں نے نہانے کی جگہ جانے، کپڑے بدلنے اور کھیل وتفریح کے اوقات میں باہر نکلنے کا بائیکاٹ کر دیا جس پر بارہ امریکی فوجیوں نے قیدیوں پر یلغار کر دی۔ وہ قیدیوں کو پکڑ پکڑ کر ان کی مونچھیں، ڈاڑھی اور ابرو صاف کر دیتے، کسی کی آدھی ڈاڑھی چھوڑ دیتے اور کسی کی ایک مونچھ۔ اس ظلم وزیادتی پر باقی قیدی اللہ اکبر کے نعرے لگاتے جبکہ بعض فوجیوں کو گالیوں اور بد دعاؤں سے نوازتے۔

سعودی باشندے پر بہیمانہ تشدد:

اس دوران افواہ آئی کہ امریکی فوجیوں نے سعودی عرب کے مشعل نامی قیدی کو اس قدر تشدد کا نشانہ بنایا کہ انہوں نے جام شہادت نوش کر لیا ہے۔ اس افواہ سے حالات مزید سنگین ہو گئے۔ اب فوجی بڑے بڑے مضبوط ڈنڈے اٹھائے پھرتے تھے۔ ایسی گاڑیوں کا گشت مختلف کیمپوں میں شروع ہوا جن پر توپیں اور مشین گنیں نصب تھیں۔ عصر کا وقت تھا جب عربی، انگریزی اور اردو میں اعلان ہوا کہ مشعل کی حالت نازک ہے، ان کی صحت یابی کے لیے دعا کریں۔ اس اعلان سے قیدی بھی خاموش ہو گئے اور اس تجسس میں مبتلا ہو گئے

کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ اور پھر ہمارا ہم خیال ایک قیدی جو اسپتال سے آیا تھا، نے بتایا کہ میں نے مشعل کو دیکھا ہے، اس کی حالت واقعی خراب ہے اور پھر دو تین مہینے بعد پتہ چلا کہ مشعل پر فالج کا حملہ ہوگیا ہے اور اس کے تمام اعضاء شل ہو گئے ہیں۔ امریکی فوجیوں نے مشعل کو تشدد کا نشانہ کیوں بنایا تھا اس کا ہمیں آخر تک پتہ نہ چل سکا۔ مشعل نے دو سال چھ مہینے اسپتال میں گزارے، اس کو وہیل چیئر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا تھا، اتنا معذور تھا کہ بغیر کسی سہارے کے نہ کھڑا ہو سکتا تھا اور نہ بیٹھ سکتا تھا۔ آخر میں اسے سعودی حکومت کے حوالے کر دیا گیا۔

چالیس دن تک سونے نہ دیا:

پہلے پہل ہر کیمپ میں کھانے اور پھل وغیرہ کی اچھی خاصی مقدار ملتی تھی۔ پھر ہر کیمپ کے انچارج نے عجیب رویہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔ ہوا یوں کہ ایک فوجی بار بار ہر قیدی کے پاس جاتا اور کھانے کا مینو، پسند ناپسند اور کمی بیشی کے بارے میں پوچھتا اور ایک نوٹ بک میں تحریر کرتا جاتا۔ نتیجہ اس عجیب کام کا یہ نکلا کہ کھانے پینے کی جو چیزیں قیدیوں کو پسند نہیں تھیں اس کی مقدار بڑھا دی گئی اور جس چیز کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کیا گیا اس کی مقدار کم کر دی گئی۔ خوراک کی اچھی چیزیں غائب ہو گئیں جبکہ ناکارہ اشیائے خورونوش میں اضافہ کر دیا گیا۔ وقت کے ساتھ مشکلات بڑھتی گئیں۔ آغاز میں تفتیش یا ریڈ کراس والوں سے ملنے یا ڈاکٹر کے پاس لے جاتے وقت ایک پٹے سے باندھا جاتا جو بعد میں زنجیر میں تبدیل ہو گیا اور پھر زنجیر سے پاؤں اور ہاتھوں کو بھی باندھا جانے لگا۔ ہتھکڑی ایک کی بجائے تین تین پہنائی جانے لگیں۔ پہلے آنکھیں بند نہ کی جاتی تھیں۔ پانچویں کیمپ میں آنکھوں پر پٹی باندھنا اور کانوں میں روئی ٹھونسنا عام سی بات بن گئی تھی، پہلے مذہبی کتابوں پر کوئی پابندی نہیں تھی جو بعد میں عائد کر دی گئی۔ اقتصادیات، ریاضی، بیالوجی، سیاست، تاریخ اور جغرافیہ کے موضوع پر مبنی کتابیں بھی بند کر دی گئیں۔ نیند پوری نہ لینے دی جاتی۔ ملا

اخوند کو 40 دن اور 40 رات تک نیند نہ کرنے دی گئی۔ ان کو سخت سردی میں بھی ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں رکھا گیا۔

جنیوا جا کر اپنے حقوق حاصل کرو:

فوجی گھی کے خالی کنستر بجاتے تا کہ قیدی سو نہ سکیں۔ قیدیوں کو خصوصاً عرب قیدیوں کو موٹر لانچ میں بٹھا کر فل اسپیڈ کے ساتھ چلائی جاتی۔ رفتہ رفتہ علاج کی سہولتیں کم ہوتی گئیں۔ ڈاکٹر ابتدائی مراحل میں آزاد تھے اور مریض قیدیوں کو دوائیاں بھی دیتے تھے مگر رفتہ رفتہ ان پر بھی پابندیاں عائد ہو گئیں اور قیدیوں پر توجہ بالکل نہ دی جاتی۔ خون کے کینسر میں مبتلا قندھار کے ولی محمد نامی قیدی کی تکلیف سے چیخیں نکل جاتیں مگر اس کے پاس کسی معالج کو نہیں بھیجا گیا، نتیجتاً اس کا سارا جسم سوج گیا۔ ہم مجبور ہو گئے کہ اس کے لیے احتجاج شروع کریں۔ ہم نے زور زور سے نعرہ تکبیر بلند کرنا شروع کر دیا اور قید خانے کی آہنی دیواروں کو مار مار کر شور مچانا شروع کر دیا جس سے فوجیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ فوجیوں نے اپنے افسروں کو بلایا، ترجمان کو لایا گیا، پھر جا کر مریض کو کلینک لے جایا گیا جہاں اس کے مرض (بلڈ کینسر) کی تشخیص کی گئی۔ کینسر نے اس کے جگر کو بھی متاثر کیا تھا۔ اگر ولی محمد کا بروقت علاج ہوتا تو اس کا مرض اتنا نہ بڑھتا۔ ہم کبھی کبھار جنیوا کنونشن کے تحت اپنے حقوق یاد دلاتے تو امریکی فوجی کہتے کہ جنیوا جا کر اپنے حقوق حاصل کر لو، یہ امریکا ہے۔

امریکی فوجیوں کی صدر بش کو گالیاں:

ہم سے تفتیش کے دوران کوئی با مقصد جواب نہ پاتے اور تشدد کر کے تھک جاتے تو آخر میں خود اپنے صدر بش کو گالیاں دینا شروع کر دیتے۔ کبھی میڈیا کے لوگ یا حکومتی عہدیدار تماشا دیکھنے آتے تو سارے کیمپوں کا معاینہ کرانے کی بجائے ان کو صرف 4th Camp کا دورہ کرایا جاتا کیونکہ اس کیمپ کے حالات اچھے تھے۔ ایسے وفود کو دکھانے کے لیے نمائشی جگہیں بنائی گئی تھیں۔ اکثر مریضوں کو دورے کے اوقات میں نشہ دیا جاتا تھا تا کہ وہ سوئے

رہیں اور امریکی وحشیانہ سلوک کا بھانڈا نہ پھوڑ سکیں۔ ایک مرتبہ چوتھے کیمپ کے دو قیدیوں نے ایک وفد کے ارکان کو بتایا کہ یہ نمائشی کیمپ ہے آپ اگر حقیقت جاننا چاہتے ہیں تو پہلے، دوسرے، تیسرے، پانچویں اور ایکو کیمپ کے قیدیوں اور مریضوں کا حال دیکھیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم انصاف چاہتے ہیں، ہم دہشت گرد نہیں ہیں، ہمیں عدالت میں پیش کیا جائے تاکہ پتہ لگے کہ کتنے بے گناہوں کو دہشت گردی کے کھاتے میں سخت ترین عذاب سے گزارا جارہا ہے۔ امریکی فوج نے بعد میں شکایت کرنے والے بیس افراد کو سزا کا مستحق قرار دے کر ان کو چوتھے کیمپ سے باہر نکالا اور ساری مراعات اور سہولیات واپس لے لیں۔

بوسنیائی قیدی:

گوانتاناموبے میں بوسنیا سے تعلق رکھنے والے شیخ جابر، ابوشیما محمد، مصطفیٰ اور الحاج بھی قید تھے جو بہت ہی مظلوم تھے۔ ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ گوانتاناموبے کیوں لایا گیا ہے اور ان کا جرم کیا ہے؟ ابوشیما کو تو سزا کے لیے پانچویں کیمپ بھی لے جایا گیا۔ شیخ جابر نے مجھے بتایا کہ ہم نے ہر تفتیش کار سے اپنا قصور پوچھا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ بعض کہتے کہ آپ امریکی مفادات کے لیے خطرہ ہیں۔ ہم ثبوت مانگتے تو کہتے کہ ثبوت ضروری نہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ نے ماضی میں کچھ کیا ہو۔ ہوسکتا ہے آپ مستقبل میں امریکی تنصیبات پر حملہ کریں اور امریکیوں کو نقصان پہنچائیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان پانچوں بوسنیائی بھائیوں نے زندگی میں نہ کبھی افغانستان دیکھا تھا اور نہ کسی تنظیم سے ان کا تعلق تھا، ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ انہوں نے سربوں کے خلاف جہاد کیا تھا۔

دو بے بس حکمران:

میں نے بحیثیت افغان سفیر کئی بار اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کی تنظیموں سے رابطہ کیا تھا کہ افغانستان میں طالبان قیدیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کا نوٹس لیا جائے اور بے گناہ افراد کو رہا کیا جائے۔ مجھے ہر بار یقین دہانیاں کرائی گئیں۔ اپنی گرفتاری

سے قبل حامد کرزئی اور جنرل پرویز مشرف دونوں سے مسلسل رابطہ رکھا اور ان سے مطالبہ کیا کہ افغانستان کے شمال میں جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے ان کو رہا کیا جائے اور ان سے وحشیانہ سلوک کو روکا جائے مگر دونوں بے بس نظر آتے تھے۔

پاکستانی اہلکاروں کا مک مکا:

غسان جو عرب تھا، نے بتایا کہ میں اپنے چند ساتھیوں سمیت لاہور کے ایک ہوٹل میں کرائے کے عوض کمرہ لے کر اس انتظار میں بیٹھا تھا کہ کسی طریقے سے پاکستان سے باہر نکل سکوں۔ پاکستان سے باہر جانا آسان تھا مگر اس کے لیے رقم کی ضرورت تھی جو میرے پاس نہیں تھی۔ باہر بھجوانے کا کام پاکستانی اہلکار باقاعدہ مک مکا کر کے کرتے تھے۔ جب سودا طے نہ ہوا تو انہی اہلکاروں نے چھاپہ مار کر گرفتار کر لیا۔ انہوں نے جب چھاپہ مارا تو ہمارے پاس سبزیاں کاٹنے والی چھریاں تھیں جبکہ ان کے پاس بھاری اسلحہ تھا۔ اس کے باوجود ہم نے خوب مزاحمت کی، ہماری مزاحمت دیکھ کر اہلکاروں نے کہا کہ ہم آپ کی مدد کر رہے ہیں، ہم نے کہا کہ نہیں، آپ کے ساتھ امریکی ہیں اور ہم خود کو امریکا کے حوالے نہیں کریں گے۔ اہلکاروں نے کہا کہ آپ کو امریکا کے حوالے کرنے نہیں بلکہ پوچھ گچھ کرنے کے لیے گرفتار کیا جا رہا ہے۔ ہم نے خدا اور رسول کے واسطے دیئے اور کہا کہ ہم مسلمان ہیں اور عرب مجاہدین ہیں مگر وہ نہیں مانے۔ محاصرہ کر کے جب انہوں نے ہمیں گرفتار کر لیا تو بااثر دکھائی دینے والے چند افراد آئے اور قسم اٹھا کر کہا کہ ہم لشکر طیبہ کے لوگ ہیں اور آپ کے ساتھی ہیں، آپ مزاحمت نہ کریں۔ پھر ان پاکستانی اہلکاروں نے پہلے ہمیں لوٹا اور پھر امریکی فوجیوں کو لایا گیا کہ آئیں دیکھیں، ہم کس طرح آپ کے لیے مخلصانہ کوششیں کر رہے ہیں۔

پاکستان پر تنقید کا جرم:

دو اور افراد جو مصنفین تھے اور جلال آباد سے ان کا بنیادی تعلق تھا، پاکستان میں اپنے

ذاتی مکانات میں رہائش پذیر تھے۔ان میں ایک دینی کتابوں کے مصنف عبدالرحیم مسلم دوست اور دوسرے انگریزی زبان کے استاد بدرالزمان بدر تھے۔پاکستانی اہلکاروں نے ان دونوں افغان مہاجروں کو گرفتار کر کے امریکا کے حوالے کر دیا۔ان دونوں کا طالبان سے کوئی واسطہ نہ تھا، یہ دونوں تین مہینے تک ایک پاکستانی ادارے کی تحویل میں رہے پھر ان کو امریکی تحویل میں دے دیا گیا۔ان دونوں کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ ظلم نہیں دیکھ سکتے تھے اور پاکستان پر تنقید کرتے تھے۔

امریکیوں کی تحقیق:

ایک دن مجھے تحقیق کے لیے لے جایا گیا کچھ نئے تفتیش کار وہاں آئے ہوئے تھے جن کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ایک ٹھگنی کالی خاتون بھی ساتھ تھی اور ایک پٹھان ترجمان بھی ساتھ تھا، میز پر پینے کا پانی رکھا ہوا تھا۔اس کے بعد انہوں نے ایک نقشہ میز پر رکھا جس کی ابتداء افغانستان سے ہوتی ہوئی امارات اور امارات سے سوڈان اور سوڈان سے یورپ اور انتہاء جنوبی امریکا تک پہنچتی تھی، مجھ سے کہا گیا کہ اس راستے افغانستان سے سونے کی غیر قانونی تجارت ہوتی رہی ہے اور آپ بھی اس میں شریک تھے۔میں نے ان سے کہا کہ آپ افغانستان میں سونے کی کان اور افغانستان کی سونے کی برآمد ثابت کریں تو میں سب کچھ ماننے کے لیے تیار ہوں، لیکن وہ بضد تھے اور بار بار اصرار کرتے رہے کہ آپ اس دھندے میں (جس کا کوئی وجود نہیں) شامل تھے۔

ان کا ایک اور سوال یہ تھا کہ آپ ہر مہینے پشاور کس لیے جاتے تھے؟ یہ تفتیش کار خصوصی طور پر امریکا سے گوانتاناموبے آئے تھے لیکن بڑے بے عقل تھے جو مثبت و منفی سوال میں فرق تک نہیں کر سکتے تھے اور یا تو پھر وہ ہمیں بے وقوف اور بچے سمجھتے تھے، اس لیے اس طرح کے بے ربط سوالات کرتے تھے۔

مجھ سے افغانستان کی تمام سیاسی مذہبی تنظیموں، معدنیات جیسے تیل، گیس، کرومائیٹ،

سنگ مرمر، ہیرے اور جواہرات نیز تمام مدارس اور علماء کے بارے میں پوچھا گیا۔ اسی طرح میرے سامنے مختلف ممالک میں علماء کی مجالس کی تصویریں لائی گئیں جس میں صد سالہ دارالعلوم دیوبند کانفرنس، پشاور میں قطبیہ کا جلسہ منصورہ میں اور لیبیا میں علماء کرام کے اتحاد اور جلسہ کی تصاویر نمایاں تھیں۔ مجھ سے ان تصویروں میں دکھائے گئے مقررین اور دیگر شریک علماء کے متعلق الگ الگ پوچھا گیا، ان میں ایسے مدارس اور علماء بڑی تعداد میں موجود تھے جن کو میں نے کبھی نہ دیکھا نہ سنا اور نہ ہی ان مدارس کا نام معلوم تھا۔ یورینیم کی افزودگی کا سوال بھی بار بار مجھ سے کیا جاتا رہا۔

"مجبورستان":

ولی محمد صراف، عبدالرحمٰن نورانی اور بعض دیگر ایسے بڑے بڑے تاجر جو پشاور یا اسلام آباد میں رہتے تھے اور بہت مالدار تھے، سے پاکستانی اہلکاروں نے بھاری رقم لوٹی اور پھر امریکا کے ہاتھ فروخت کردیا جواب بھی گوانتاناموبے میں زندگی کی قبروں میں پڑے ہیں۔ عرب مجاہدین کے ساتھ جو سلوک پاکستان میں ہوا وہ گوانتاناموبے میں بھی نہیں ہوا۔ گوانتاناموبے کے قیدی پاکستان کو "مجبورستان" کہہ کر پکارتے۔

ہر روز نئے نئے سوال:

گوانتاناموبے میں تفتیش کے مراحل بڑے عجیب تھے۔ تفتیش کا محور کوئی خاص ایشو نہیں تھا۔ نہ تفتیش کاروں کے ہدف کا پتہ چلتا اور نہ اس بات کا پتہ چلتا کہ ان کو تلاش کس کی ہے؟ ہر روز نئے نئے سوال پوچھے جاتے، کبھی کبھی پرانے سوالات دہرائے جاتے، جرم کی باتیں پیچھے رہ جاتیں۔ ایک بار تفتیش کرنے والے نے کہا کہ یمن میں بحری جہاز تباہ کیا گیا تھا جس میں گیارہ امریکی عہدیدار ہلاک ہوئے تھے۔ اس واقعے میں آپ کا ہاتھ تھا اور آپ اس وقت یمن میں موجود بھی تھے۔ میں نے کہا میں یمن کیسے گیا تھا؟ اور کس راستے سے گیا تھا؟ اس نے کہا کہ ایران سے قطر اور قطر سے یمن گئے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ کو

بحری جہاز کے آنے کا وقت اور جانے کا وقت معلوم تھا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا میں دھماکہ خیز مواد اپنے ساتھ لیکر گیا تھا یا نہیں؟ اس نے کہا معلوم نہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کو بحری جہاز کے لنگر انداز ہونے کا وقت اور جگہ معلوم نہیں تو میں کس طرح نا معلوم بحری جہاز میں ایران، قطر اور پھر یمن گیا؟ اگر کوئی یہ ثابت کرے کہ میں نے آج تک ایران، قطر یا یمن دیکھا ہے تو میں آپ کا ہر الزام تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں۔

آپ کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی:

شاید یہ سارے تفتیش کار ہم سب قیدیوں کو انتہائی سادہ سمجھتے تھے اور ہم سے ایسے پیش آتے جیسے ہم بچے ہوں۔ ایک دن چھوٹے قد کے موٹے شخص نے آکر انتہائی بدتمیزی سے بات شروع کی، میرے جوابات پر طنزیہ انداز میں مسکرا بھی دیتا اور آخر کار اس نے وہ سوال پوچھ ہی لیا جو اس کے دل میں معلوم نہیں کب سے جاگزین تھا اس نے پوچھا یہ مسلمان آخر کب ہمارے سامنے سر تسلیم خم کریں گے؟ اس سوال سے میرا خون کھول اٹھا مگر میں نے حوصلہ کر کے جواب دیا کہ آپ کی یہ خواہش کبھی بھی پوری نہیں ہوگی۔ مسلمانوں کا ایک گروہ آپ کے خلاف امام مہدی (علیہ السلام) کے ظہور تک جہاد کرے گا اور آخر میں غلبہ مسلمانوں کا ہی ہوگا۔ اس نے پوچھا یہ گروہ کس کا ہوگا؟ طالبان کا یا القاعدہ کا؟ یا کسی اور کا؟ میں نے کہا کہ یہ مجھے معلوم نہیں مگر یہ یاد رکھیں کہ آپ اپنے اہداف تک اس قدر آرام سے نہیں پہنچیں گے۔ اس نے لمبی سانس لی اور کہا کہ کاش یہ امام مہدی جلد سامنے آئیں اور ہم ان سے نمٹیں تاکہ مسلمانوں کی یہ آخری امید بھی ختم ہو۔ میں نے کہا کہ ہمیں بھی ان کے ظہور کا شدت سے انتظار ہے۔

بھوک ہڑتال:

ایک مرتبہ قیدیوں نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ بعض قیدی کھانا نہ کھاتے مگر پانی پیتے تھے، بعض نے کھانا پینا دونوں ترک کر دیا۔ عرب بھائیوں نے تادم مرگ بھوک ہڑتال

شروع کی۔ اس طرح 275 افراد کھانے سے محروم تھے۔ وہ صرف اور صرف احترام انسانیت چاہتے تھے۔ بھوک ہڑتال 26 روز سے جاری تھی، ہر پانچ میں سے چار قیدیوں نے بھوک ہڑتال میں حصہ نہیں لیا۔ کیمپ کے انچارج جنرل نے قیدیوں کو یقین دہانی کرائی کہ جنیوا کنونشن کی بعض شقوں کے تحت قیدیوں کو حقوق دیئے جائیں گے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ قیدی بھوک ہڑتال ختم کر دیں۔ کیمپ کے انچارج سعودی عرب کے شیخ شاکر جن کے پاس برطانوی شہریت تھی اور جن کو انگلش زبان پر عبور حاصل تھا، کو ہر قیدی کے پاس لے جاتے اور ان کے ذریعے قیدیوں کو یقین دہانیاں دے دے کر کھانا کھانے پر راضی کیا جاتا۔ قیدیوں نے ہڑتال ختم کی اور کھانا کھانا شروع کیا۔ قیدیوں کی جانب سے چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی جسے قیدیوں کے مطالبات ترتیب دینے اور امریکی حکام کے سامنے پیش کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس کمیٹی میں شیخ شاکر، شیخ عبدالرحمٰن، شیخ غسان، شیخ جابر، شیخ ابوعلی اور میں (عبدالسلام ضعیف) شامل تھا۔

مذاکرات اور ابلیس شیطان:

مذاکرات کے لیے دو مرتبہ کوشش کی گئی مگر بار آور ثابت نہ ہو سکی۔ آخرکار تیسری مرتبہ 7 اگست 2005ء کو کیمپ کے داخلی دروازے کے پاس اجلاس ہوا جس میں کمیٹی کے ہم چھ ارکان، کیمپ کے انچارج بمب گارنر، ایک کمانڈر اور ایک دوسرا شخص شامل تھا، بمب گارنر بہت چالاک اور عیار تھا، قیدیوں کو کہتا تھا کہ میں ابلیس (شیطان) ہوں۔ اس نے اجلاس کی ابتداء میں ہی کہا کہ میں کیمپ کو پرامن اور مسئلوں سے پاک دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ قیدی آپ (کمیٹی کے چھ ممبران) کی بات مانتے ہیں، میں آپ کے فیصلوں کا احترام کروں گا، میں نے امریکی وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ سے بات کی ہے تاکہ آپ کو جنیوا کنونشن کے مطابق حقوق دیئے جائیں البتہ اس بات کا فیصلہ ہم کریں گے کہ کون سے حقوق دیئے جائیں اور کون سے نہ دیئے جائیں۔ ہم نے انسانی حقوق کی خلاف

ورزیوں، مذہبی شعائر کی بے حرمتی اور امریکی فوجیوں کے غیر قانونی اور غیر انسانی اقدامات کی شکایت کی۔ ہم نے کہا کہ چار سال تک دنیا کو ورغلایا گیا کہ گوانتانا موبے میں دہشت گردوں کو رکھا گیا ہے، یہ سلسلہ اب بند کیا جائے۔ خود کو شیطان کہنے والا کیمپ کا انچارج سب کچھ مانتا اور کہتا کہ جو ہوا سو ہوا۔ آئندہ آپ کے ساتھ انسانی سلوک کیا جائے گا مگر اس کے یہ سارے وعدے جھوٹ ثابت ہوئے۔ اجلاس میں شرکت کرنے والے قیدیوں کو باقی قیدیوں سے الگ کر دیا گیا اور ظلم و ستم کا سلسلہ مزید دراز کر دیا گیا۔ بھوک ہڑتال پھر شروع کر دی گئی، تین سو سے زائد قیدی بھوک ہڑتال کے لیے تیار ہوئے، بیس قیدیوں نے تو پکا عزم ظاہر کیا کہ وہ تا دم مرگ بھوک ہڑتال جاری رکھیں گے اور امریکیوں پر مزید اعتماد نہیں کریں گے۔ امریکا کے اوپر بد اعتمادی کا یہ سلسلہ میری رہائی یعنی 11 ستمبر 2005ء تک جاری رہا۔

قیدیوں کی استقامت:

بھوک ہڑتال کے باعث ہسپتال مریضوں سے بھر گیا، ان کو بے ہوشی کی حالت میں دوا دی جاتی، قیدی ہوش میں آتے تو ڈرپ وغیرہ اتار کر پھینک دیتے اور دوائیں کھانے سے انکار کر دیتے، انتہائی جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے اور مرنے تک بھوک ہڑتال جاری رکھنے کا عزم ظاہر کرتے۔ پھر وہ مرحلہ بھی آیا جب پانچ ڈاکٹروں نے مل کر بے ہوش مریضوں کو نتھنوں میں پائپ لگا کر خوراک دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سننے میں آ رہا ہے کہ گوانتانا موبے میں حقوق کے لیے قیدیوں کی ہڑتال کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

طالبان کے شبہ میں پکڑے جانے والے افغانی:

امریکا نے ان معصوم افغانوں کو بھی طالبان اور القاعدہ کے کھاتے میں پکڑا تھا جن کا دونوں سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا، مثلاً ان سب افغانوں کو پکڑا گیا جنھوں نے کسی طالب یا مجاہد کو پناہ دی، ان کو کھانا کھلایا یا کسی مشہور طالب مجاہد کا نام کسی نے لیا یا کسی نے دیکھا۔ ایک

افغان کو اس لیے پکڑا گیا کہ اس نے مجاہدین جیسا کوٹ پہنا تھا، ایک کو جیب میں ٹیلی فون سیٹ رکھنے پر جبکہ ایک چرواہے کو دوربین رکھنے پر پکڑا گیا اور ان سب کو بعد میں جنگی مجرم ثابت کیا گیا۔ اکثر بھائی مجھے تفصیلی روئداد بیان کرتے جس پر مجھے بہت افسوس ہوتا۔ افغان قیدیوں میں طالبان، مجاہدین، موجودہ افغان حکومت کے اہلکار، موچی، لوہار، چرواہے، صحافی، صراف، دکاندار، آئمہ مساجد حتیٰ کہ امریکا کے اپنے ترجمان بھی شامل تھے۔ عرب بھائیوں میں بھی ایسے تھے جو پاکستان یا پاکستان کی طرح دوسرے ممالک نے امریکا کے عوض فروخت کیے تھے۔ پختون علاقوں کے وہ افراد جو عرب ممالک میں محنت مزدوری کرتے تھے اور وطن واپس آئے تھے، ان کو بھی پکڑا گیا تھا۔ ان بے چاروں کے ویزوں کی مدت بھی ختم ہوگئی مگر ظالم امریکیوں نے ان کو نہیں چھوڑا۔

وہ جو امریکہ کے جاسوس بن گئے اور مرتد ہوئے:

بعض قیدی مجبور ہو کر امریکیوں کے لیے ہماری جاسوسی بھی کرتے تھے، جس پر ہمارے ساتھی ان قیدیوں سے نفرت کا اظہار کرتے اور ان سے بات نہ کرتے، ان پر تھوکتے۔ ان میں فدا، زرمت کے سردار اور کنڑ کے انور شامل تھے جو بعد میں مرتد ہوگئے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی بے حرمتی کیا کرتے تھے۔ یہ ثمود نامی کمانڈر کے لوگ تھے جو امریکیوں کے لیے کام کرتے تھے۔ تیسرے کیمپ میں عراق کے علی، شاکر، ارقان، عبدالرحیم اور محمد ایسے ہی مشکوک لوگ تھے۔ تین افغانوں پر بھی جاسوسی کا شک تھا۔ یہ افغان اور عرب جب ہمارے قریب آتے تو ہم اپنی زبانوں پر کنٹرول کر لیتے۔ ان کی سرگرمیوں سے ہر قیدی تنگ تھا، یہ جب ہم سے دور ہوتے تو ہم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے۔ آخر میں یہ لوگ بہت ذلیل ہوئے کیونکہ ان کی معلومات درست نہ تھیں اور امریکیوں کے لیے ناقابل اعتبار بن گئے۔ یہ جاسوس عیسائیوں کی طرح عبادت کرنے لگے، پھر بھی امریکیوں کو ان پر یقین نہیں رہا۔

گوانتاناموبے میں دنیا کا کوئی قانون نہیں چلتا:

گوانتاناموبے میں وقت کے فرعون کے مظالم سہنے والا ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ زندان ہر اس مسلمان کے لیے بنایا گیا ہے جو امریکی پالیسیوں کا مخالف ہے۔ جہاں امریکا جو چاہتا ہے، کرسکتا ہے۔ دہشت گردی کے نام پر گرفتار ہونے والوں کے ساتھ امریکا ہر غیر قانونی سلوک کرسکتا ہے، کیونکہ گوانتاناموبے کے جزیرے میں دنیا کا کوئی قانون نہیں چلتا۔ وقت نے ثابت کردیا کہ صدر بش نے دنیا کے سامنے جو جھوٹ بولا وہ محض دنیا کو دھوکہ دینے کے لیے تھا۔ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ گوانتاناموبے کے اکثر قیدی بے گناہ ہیں۔ بہت سے ایسے ممالک جو امریکی اتحادی ہیں، اپنے کیے پر پشیمان ہیں، ان کے سامنے امریکا کا بھیانک چہرہ بے نقاب ہو چکا ہے مگر مجبور ہیں۔ یہ ممالک اپنی مجبوری کے تحت امریکی مظالم پر خاموش ہیں۔

گوانتاناموبے کا امریکہ کو نقصان:

میں سوچتا ہوں، گوانتاناموبے کے بدنام زمانہ عقوبت خانوں کے قیام کا مقصد کیا ہے؟ اس سے امریکا کو کیا فائدہ ہے؟ میری نظر میں فائدہ کوئی نہیں سراسر امریکا کا اپنا نقصان ہے۔ یہ گوانتاناموبے امریکی ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے مگر اس کا مکمل ادراک دنیا اور خود امریکی عوام کو مستقبل میں ہوگا۔ صدر بش نے ثابت کردیا ہے کہ احترام آدمیت اور انسانی حقوق صرف طاقتور اقوام کے لیے ہیں اور مظلوم مسلمانوں کو کسی قسم کا حق حاصل نہیں۔ امریکا نے مسلمانوں کو انسانی حقوق کا غاصب اور قانونی مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی مگر خود گوانتاناموبے کی وجہ سے دنیا بھر میں امریکا کو انسانی حقوق کا غاصب خصوصاً مسلمانوں کا دشمن سمجھا گیا۔ دنیا نے جان لیا کہ امریکا ریاستی اور بین الاقوامی قوانین کو پاؤں تلے روندنے والا ملک ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کے دلوں میں امریکا کی نفرت بڑھی ہے، یہ ایسے نکات ہیں جن کی وجہ سے ہر گزرتے دن کے ساتھ امریکی وقار کو ٹھیس پہنچ رہی ہے۔ گوانتاناموبے

کی وجہ سے امریکا نے یہاں کے ہر قیدی کو اپنا دشمن بنالیا، قیدیوں میں سے ایسے بھی تھے جو امریکی پالیسیوں کے خلاف نہ تھے مگر جب امریکی مظالم انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو وہ بھی امریکا کے سخت دشمن بن گئے۔

گوانتاناموبے میں پیدا ہونے والے ہیرو:

گوانتاناموبے کے زندان کی وجہ سے امریکا نے ''شخصیات'' پیدا کیں، بہت سے ایسے لوگ جن کو کوئی پہچانتا بھی نہ تھا گوانتاناموبے کی وجہ سے وہ لوگوں کے ہیرو اور رہبر بن گئے۔ اب اگر یہ ہیرو امریکا کے خلاف کچھ کرنا چاہیں تو ایک اشارے پر بہت کچھ کر سکتے ہیں اور ہر ایک شخص باقاعدہ اپنی مؤثر جماعت بنا سکتا ہے۔ کہتے ہیں احمق دوسروں کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتا جتنا اپنے آپ کو۔ اگر دہشت گردی کا مطلب لوگوں کو خوفزدہ کرنا ہے تو سب سے بڑا دہشت گرد تو خود امریکا ہے جس نے گوانتاناموبے کی صورت میں معصوم اور بے گناہ مسلمانوں کو اپنے ظالمانہ سلوک سے ڈرانے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔

افغان حکومت کا ایلچی:

11 مئی 2004ء رمضان المبارک کو مجھے تفتیش کے لیے لے جایا گیا، یہ جگہ میرے لیے نئی تھی، جس کمرے میں مجھے بٹھایا گیا، وہاں ائیر کنڈیشنڈ اور ٹی وی بھی لگا ہوا تھا۔ خلاف معمول میرے ہاتھ پاؤں کھولے گئے۔ وہاں دو امریکی تفتیش کار تھے جبکہ تیسرے نے امریکا کے افغانستان میں قائم سفارتخانے کے اہلکار کے طور پر اپنا تعارف کرایا۔ افغان باشندے نے خود کو افغان حکومت کا ایلچی بتایا مگر مجھے یقین نہیں آیا، باتیں شروع ہوئیں تو ان کا رویہ بڑا شائستہ تھا۔

مشروط رہائی کا حلف نامہ:

انہوں نے مجھے کھانا کھلایا جس کو میں صحیح معنوں میں کھانا کہوں گا جو چار سال بعد مجھے نصیب ہوا تھا۔ میں نے حد سے زیادہ کھانا کھایا، کھانے کے ساتھ فروٹ اور کولڈ ڈرنک بھی

دی گئی۔ ان افراد نے وعدہ کیا کہ وہ میری رہائی کے لیے بھرپور کوشش کریں گے مگر اس کے بعد بھی ایک سال تک گوانتاناموبے میں رہا۔ میں رہا ہونا چاہتا تھا مگر مجھے شرائط معلوم نہ تھیں۔ یکم نومبر 2005ء کو ایک تفتیش کار نے خوشخبری سنائی کہ اگلے ہفتے آپ کو رہا کر دیا جائے گا مگر اس سے پہلے آپ کو کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے گا گھبرانا نہیں۔ دوسرا ہفتہ شروع ہو گیا، پہلے ہی دن مجھے ایسی جگہ لے جایا گیا جس کو پہلے میں نے کبھی نہ دیکھا تھا، یہ جگہ زندگی کی تمام سہولتوں سے آراستہ تھی۔ پہلی دفعہ میں نے اپنے لیے یہاں خود قہوہ پکایا جس کا مجھے بڑے عرصے سے ارمان تھا۔ دوسرے دن چار بجے کے قریب ایلچی آیا اور میرے ساتھ بیٹھ کر میرے گھر اور افغانستان کے حالات کے متعلق معلومات فراہم کیں اور کہا کہ کل رات بارہ بجے آپ کی افغانستان کے لیے پرواز ہوگی۔ اس وقت تک آپ آرام کریں۔ تیسرے دن مجھے پھر اس جگہ لے جایا گیا جہاں پہلے سزا دی جاتی تھی مگر امید تھی کہ ریڈ کراس کے لوگ آئیں گے۔ معمول تو یہی تھا کہ رہائی کے وقت ریڈ کراس کے لوگ قیدی سے ملتے مگر اچانک چند امریکی ویڈیو کیمروں کے ساتھ اندر آئے، ان کے ساتھ ایک پشتو ترجمان بھی تھا، ایک دو سیاہ کاغذات ان کے ہاتھ میں تھے جس پر انگریزی میں کچھ لکھا گیا تھا اور ساتھ میں پشتو ترجمہ بھی تھا۔ کاغذ میرے حوالے کیا گیا اور کہا گیا کہ اس پر دستخط کریں کاغذ پر درج شقیں کچھ اس طرح تھیں:

1- قیدی اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے، یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکا سے معافی مانگتا ہے، امریکا کی طرف سے جرم کی معافی اور رہائی پر اس کا شکر گزار ہے۔

2- قیدی القاعدہ اور طالبان کا ساتھی تھا، آئندہ دونوں کے ساتھ تعلق نہیں رکھے گا اور ان کے ساتھ تعاون نہیں کرے گا۔

3- قیدی آئندہ دہشت گردی کی کارروائیوں میں حصہ نہیں لے گا۔

4- قیدی آئندہ امریکا اور اس کے اتحادیوں کے مفادات کے خلاف کوئی کام نہیں کرے گا۔

اگر قیدی نے ان شقوں کی خلاف ورزی کی تو اسے پھر گرفتار کیا جائے گا اور ساری عمر قید میں رکھا جائے گا۔

اس حلف نامے کو پہلے پڑھ کر سنایا گیا جسے ویڈیو کیمروں میں بھی محفوظ کیا گیا پھر مجھے دستخط کرنے کو کہا گیا۔ میں نے کاغذ انتہائی غصے سے دور پھینکا اور کہا ''میں مظلوم ہوں، مجرم نہیں ہوں، کبھی بھی اپنا ناکردہ جرم تسلیم نہیں کروں گا، کبھی معافی نہیں مانگوں گا، کبھی بھی اپنی رہائی پر امریکا کا شکریہ ادا نہیں کروں گا، میں نے کون سا جرم کیا ہے؟ مجھے کس قانون کے تحت مجرم ثابت کیا گیا ہے؟ میں طالب تھا، ہوں اور طالب رہوں گا، البتہ القاعدہ کا کبھی ساتھی نہیں رہا۔ کس دہشت گردی کے واقعے میں میرا ہاتھ تھا مجھے بتایئے، اگر آپ سچے ہیں۔

آپ رہا نہیں ہو سکتے:

انہوں نے کہا اگر آپ نے دستخط نہیں کیے تو آپ رہا نہیں ہو سکتے مگر میں نے صاف انکار کر دیا اور کہا اگر مجھے ساری عمر بھی قید میں رکھا جائے پھر بھی یہ نہیں مانوں گا کہ میں مجرم ہوں۔ کئی مرتبہ وہ باہر نکلے، پھر اندر آئے۔ کئی بار اصرار کیا مگر میں نے دستخط نہیں کیے۔ چوتھی بار اندر آئے تو کہا کہ اگر آپ کو کاغذ کی لکھی شقیں منظور نہیں تو کچھ اور لکھیں اور وہ لکھیں جو آپ چاہتے ہیں۔ مجبوری کے عالم میں قلم اٹھایا اور لکھنا شروع کر دیا:

''میں مجرم نہیں ہوں، کبھی کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا، ایک مظلوم مسلمان ہوں جس کے ساتھ پاکستان اور امریکا نے ظلم کیا ہے اور چار سال قید میں رکھا میں یقین دلاتا ہوں کہ امریکا کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ نہیں لوں گا۔ والسلام''

رہائی کی خوشی اور سچی بات

میں نے دستخط کر کے کاغذ ان کے حوالے کر دیا اور گہری سوچوں میں غرق ہو گیا کہ میرا لکھا وہ مانیں گے بھی یا نہیں؟ اور میری تحریر میں وہ کوئی تحریف بھی کر سکتے ہیں۔ بہر حال کچھ دیر بعد ایلچی ریڈ کراس کے نمائندوں کے ساتھ آئے' میرے ساتھ بیٹھے اور رہائی کی خوشخبری

دی ریڈ کراس نے اپنے معاملات نمٹا لیے پھر واپس مجھے پانچویں کیمپ لے جایا گیا تاکہ اپنے بھائیوں سے رخصت لے سکوں، سب قیدیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا گیا، میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور ان کے ساتھ ڈیڑھ گھنٹہ گزارا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت مجھے اپنے آپ سے شرم آ رہی تھی اس لیے کہ میرے مسلمان بھائیوں نے ابھی مزید عذاب جھیلنا تھا۔ مجھے صرف افغان قیدیوں سے ملاقات کی اجازت دی گئی عربوں اور دیگر مسلمان بھائیوں سے ملنے کی اجازت نہیں دی۔ ایک دن بعد میں کابل کے خواجہ روش ہوائی اڈے پر اترا۔ مجھے کابل اجنبی اجنبی لگا، جگہ جگہ حفاظتی مورچے بنائے گئے تھے۔ مجھے پہلے سے مقرر کردہ جگہ منتقل کر دیا گیا۔

اب میں پچھلے دس ماہ سے کابل کے اس مکان میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہائش پذیر ہوں جہاں موجودہ حکومت کی جانب سے کرایے پر رہائش فراہم کی گئی ہے۔ میری حفاظت کا ذمہ موجودہ افغان حکومت نے ایک سال تک کے لیے لیا ہے ایک سال بعد معلوم نہیں کیا ہوگا؟

تمام مظلوم مسلمان بھائیوں کے لیے میری دعا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ بخیر و عافیت تمام مصیبتوں سے اپنی حفاظت میں رکھے اور قیدی بھائیوں کو سلامتی کے ساتھ رہائی نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آزمائشوں سے بچائے اور ہر امتحان میں کامیابی سے سرخرو فرمائے۔

(آمین)